نشا خورشید

اب کے برس

ہم اپنے آپ میں یوں گم ہوئے ہیں عرصے سے
ہمیں تو جیسے کسی کا بھی انتظار نہیں
کسی کو ٹوٹ کر چاہیں کہ چاہ کر ٹوٹیں
ہمارے پاس تو اتنا بھی اختیار نہیں

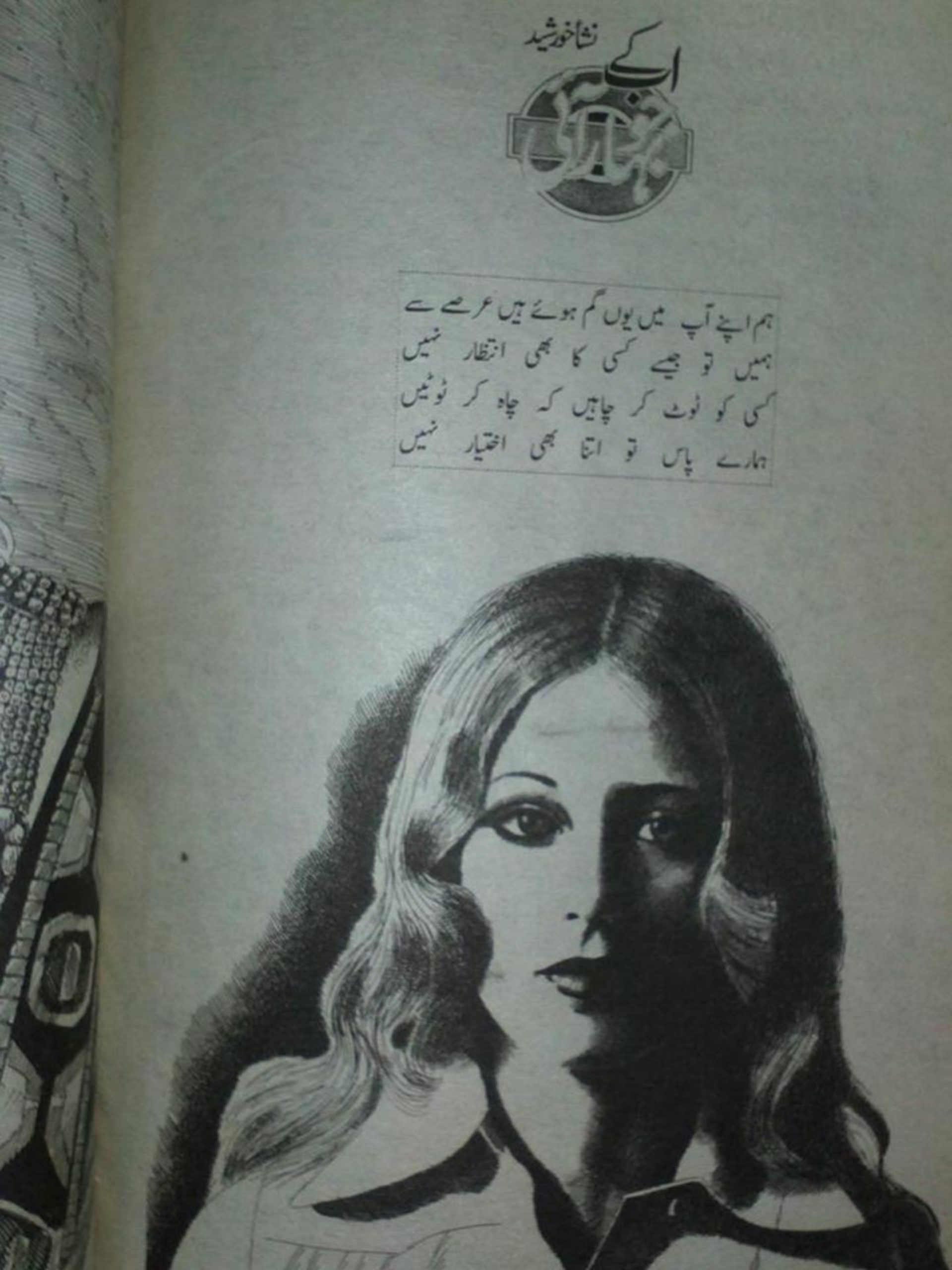

تسلی دی کہ وہ جلد ہی اپنی بیٹی کے پاس آجائے گی۔ پھر انابی کو ہدایت کی کہ عابس کو کہے کہ وہ انہیں فون کریں۔

خنساء کے دل کو کچھ سکون آیا کہ کوئی تو ہے جو اتنے پیار سے اس سے بات کر سکتا ہے۔

عابس رات کو واپس آیا تو انابی اسی کا انتظار کر رہی تھیں انابی کو دیکھتے ہی وہ شروع ہو گیا۔

"میں نے اپنے دوست کی انیکسی میں آپ لوگوں کے رہنے کا بندوبست کر دیا ہے۔ میں ماہانہ خرچ دیتا رہوں گا اور کبھی کبھار پتہ کرنے کے لئے بھی آؤں گا۔ آپ دونوں وہاں شفٹ ہو سکتی ہیں۔ خدا کے لئے میری جان چھوڑیئے۔ اگر رہنے کی پرابلم تھی تو میرے ساتھ یہ ڈرامہ کرنے کی بجائے امی براہ راست بات کرتیں تو میں پہلے ہی اس کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیتا۔"

انابی نے اطمینان سے اس کی بات سنی اور جب وہ خاموش ہوا تو اسے بتایا کہ تابندہ بی بی کا فون آیا تھا کہ آپ ان کو فون کریں۔ پیغام دے کر انابی رکی نہیں کمرے سے باہر چلی گئیں۔

"تھینک گاڈ" امی کو بھی میرا خیال آیا۔ "فون اٹھا کر فوراً" نمبر ڈائل کیا تو ابھی اس نے ہیلو کہا تھا کہ امی شروع ہو گئیں۔

"عابس۔! مجھے پتا تھا کہ تم الٹی سیدھی حرکتیں کرو گے۔ عابس یہ محض وقتی ہے جب وہ لڑکی بڑی ہو جائے گی تو یقیناً" میں اس کے لئے کوئی اور اچھا رشتہ تلاش کروں گی۔ محض اس وقت تک تم اسے سہارا دے دو۔ دیکھو بیٹا۔ اگر تم چند سالوں کی قربانی دے دو گے تو بھی تم مرد ہو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"امی میری بات سنیں۔" عابس نے انہیں روکا۔ "میں نے ان کی رہائش کا بندوبست کر دیا ہے۔ وہ وہاں سکون سے رہ سکتی ہیں۔"

"عابس۔! میرے بیٹے خنساء اور عام لڑکیوں میں فرق ہے۔" خنساء نے کبھی جھانک کر باہر نہیں دیکھا۔ وہ ایب نارمل لڑکی نہیں ہے۔ سگے رشتوں نے زہر گھول دیا ہے اس کے اندر۔ اب اگر اسے مکمل توجہ محبت، گھریلو پرسکون ماحول نہ ملا تو وہ لڑکی تباہ ہو جائے گی۔ برباد ہو جائے گی۔ انصاف سے سوچو عابس یہ بچی اب ہر رشتے سے نفرت کرتی ہے۔ اگر ہر وقت اسے محبت اور توجہ نہ دی گئی تو ہم بھی اس کے والدین کے ساتھ برابر کے قصوروار ہوں گے۔ عابس بیٹے بھول جاؤ کہ اس کے ساتھ تمہارا کوئی رشتہ قائم ہوا ہے۔ ایک مظلوم لڑکی سمجھ کر ہی اسے توجہ دے دو۔ اس کا خیال رکھ لو وہ اس وقت موم کی گڑیا کی مانند ہے۔ وقت نے اس کا بچپن اس سے چھین لیا ہے۔ کیا اس کا حق نہیں تھا کہ وہ محبتوں کو انجوائے کرتی مگر سوائے دکھ کے اس بچی کو کچھ نہیں ملا۔ ہم گزرے ہوئے وقت کو تو واپس نہیں لا سکتے مگر اب وہ ہمارے پاس ہے۔ اسے اتنی محبتیں تو دے سکتے ہیں کہ وہ گزشتہ زخموں کو بھول جائے۔"

تابندہ کی آواز میں نمی تھی۔

"سمجھ گیا ہے۔" عابس نے کچھ کہنا چاہا۔ تو تابندہ کو غصہ آگیا۔

"عابس تم بہت ڈھیٹ ثابت ہو رہے ہو۔ ایک معمولی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی۔ اگر تم نے اسے طلاق دینے کی کوشش کی یا گھر سے نکالا تو یاد رکھنا کہ میں تمہارے پاس واپس کبھی بھی نہیں آؤں گی۔" تابندہ نے مزید اس کی کوئی بات سنے بغیر فون بند کر دیا۔ عابس ہیلو ہیلو چلاتا رہا۔ پھر غصے سے فون پھینک دیا۔

"اف میرے خدایا" میں کیا کروں؟ میں لوگوں کا سامنا کیسے کروں گا۔ کیا جواب دوں گا کہ یہ کون ہے؟ شکر ہے کہ میں نے اپنی شادی کی اطلاع نہیں دی ورنہ یہاں تو رش لگ جاتا اور میرا جو جلوس نکلتا وہ تو کسی کا بھی نہ نکلا ہو تا۔ میں عالیہ کو کیا جواب دوں گا کہ میں نے محض اس بچی کی وجہ سے اپنی کمٹمنٹ توڑ دی۔"

عابس چلتا ہوا خنساء کے کمرے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ دروازہ کھلا تھا خنساء بھالو کو اپنے سینے سے لگائے سو رہی تھی۔ کتنی کمزور اور لاغر تھی۔ عابس نے اسے

ہوا کے جھونکوں سے ڈرتے دیکھا تھا۔

جب سے عابس نے اسے کمرے سے نکلنے سے منع کیا تھا وہ کبھی بھی اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔ عابس نے بالوں کو پکڑا۔ شاید امی ٹھیک کہتی ہیں کہ اسے انسانوں کی توجہ کی ضرورت ہے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب یہ لوگوں کے درمیان رہے۔ رشتوں کی محبت کڑی کو محسوس کرے۔ واقعی چند سالوں کی ہی تو بات ہے جہاں میں نے اتنے سال شادی نہیں کی۔ اگر چند سال اور شادی نہیں کروں گا تو کیا فرق پڑ جائے گا ایک ایسی لڑکی جس کا واسطہ کبھی معاشرے سے نہ پڑا ہو وہ اسکول نہ گئی ہو اگر میں اسے یوں تنہا چھوڑ دوں گا تو کیا وہ صحیح سلامت کسی منزل تک پہنچ جائے گی۔ عالیہ اس وقت تک ٹھہر گئی تو ٹھیک ورنہ کوئی اور سہی۔ میں اسے مکمل انسان بناؤں گا میں کسی کمزور لمحے کا شکار ہو کر اس کے بچپن کو ڈسٹرب نہیں کروں گا جو محبت اور توجہ اس کا حق تھا وہ اب اسے ضرور ملے گا۔ یہ ایک نارمل زندگی گزارے گی۔ اسے دیکھ کر تو لگتا ہے کہ اس نے زندگی میں کوئی ضد ہی نہیں کی۔ میں اسے ضد کرنا، فرمائش کرنا، ہنسنا اور روٹھنا سکھاؤں گا۔ چند سالوں بعد جب یہ کوئی فیصلہ کرنے کے قابل ہو جائے گی تو یہ اپنے متعلق خود فیصلہ کرے گی اور میں اس کا ہر فیصلہ قبول کروں گا۔

عابس نے اپنے آپ سے بہت سے وعدے کئے۔ اس نے حقیقت کو سمجھ لیا تھا کہ امی نے یہ فیصلہ کس وجہ سے کیا تھا۔ خنساء اکیلی کہیں بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ نکاح سے خنساء کو کیا فرق پڑتا تھا اسے پہلے کون سی خبر تھی اور چند سالوں سے عابس کو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ چند سالوں بعد عالیہ سے شادی کر سکتا تھا۔

صبح ناشتے پر اس نے انابی سے خنساء کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے چونک کر دیکھا عابس کو عجیب شرمندگی محسوس ہوئی۔ ابتدا تھی نا اس لئے عابس خود بھی عجیب سا محسوس کر رہا تھا مگر یہ تو کرنا ہی تھا آخر وہ اس کی ذمہ داری تھی۔

"کہاں ہے وہ، ناشتہ نہیں کروایا آپ نے اسے۔" بی مضبوط کر کے پھر پوچھا۔

"وہ سو رہی ہے۔ ساری رات ڈرتی رہی ہے۔ ویسے بھی وہ کھانا وغیرہ کم ہی کھاتی ہے۔" انابی نے بتایا۔

"یہ تو بہت بری بات ہے۔ اس عمر کے بچوں کو تو غذا کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ کم غذا کی وجہ سے وہ اتنی کمزور ہے۔" بات کرتے ہوئے عابس اپنے آپ کو سخت احمق محسوس کر رہا تھا اسے یوں لگ رہا تھا کہ اس نے کوئی بچہ ایڈاپٹ کر لیا ہے اور اب اس کی غذا کی کمی کی وجہ سے فکر مند ہو۔

"عابس میاں، وہ ہر چیز سے بے زار ہے۔ کئی کئی دن کچھ نہیں کھاتی، چاہے اسے کچھ کہہ لو۔"

"اچھا، بلایئے گا ذرا اسے۔" عابس نے انابی سے کہا۔ تو وہ اسے بلانے کے لئے چلی گئی۔

عابس نے دیکھا کہ خنساء دروازے تک انابی کے ساتھ آئی مگر اسے دیکھ کر پلٹ گئی۔ عابس نے اسے آوازیں بھی دیں مگر وہ نہیں رکی۔ تو عابس نے اپنے آپ سے کہا وہ اتنی جلدی تھوڑی مجھ سے مانوس ہو جائے گی۔ تھوڑا سا وقت لگے گا اسے دوست بنانے میں۔

ناشتہ کر کے عابس دوستوں کی طرف نکل گیا۔ اس نے اسٹڈی دوبارہ شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کیونکہ اس نے جان لیا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا حالات جیسے چل رہے تھے ویسے ہی چلیں گے۔ اس سے پوچھ کر بدل تھوڑی جائیں گے۔

شام کو واپس آیا تو خنساء اسے لاؤنج میں نظر آئی۔ اس پر نظر پڑتے ہی کمرے میں غائب ہو گئی اور دروازہ بند کر لیا۔

"اسے کیا ہوا؟" اس نے حیرت سے انابی کی طرف دیکھا۔

"دراصل وہ آپ سے بہت ڈرتی ہے۔ اس لئے چھپ جاتی ہے۔"

عابس چپ ہو گیا۔ اسے اپنا گزشتہ رویہ یاد آگیا۔ دوسرے دن وہ اس کے لئے چاکلیٹ لایا۔ خنساء

دفع ہو جاؤ، نکل جاؤ۔“ عمارہ یہاں سے۔ ”تم سے شادی کر کے تو میں نے زندگی کا سب سے زیادہ خسارے کا سودا کیا ہے۔ زندگی حرام کر کے رکھ دی تم نے میری‘ جہنم بنا دیا اس گھر کو۔“

عباس احمد جنونی انداز میں چلایا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ وہ شخص ہے، جس کے اخلاق و اطوار کی تعریف حلقہ احباب کرتے نہیں تھکتے تھے۔

عمارہ اس سے بھی زیادہ زور سے چلائی۔

”اور تم عباس، تم نے خواب دکھا کر مجھے پھنسایا ورنہ تم جیسے تھرڈ کلاس مرد کے ساتھ بھلا میرا گزارہ ہو سکتا تھا؟ کیسے تم آگے پیچھے پھرتے تھے میرے منتیں کرتے ہوئے نہیں تھکتے تھے۔ ٹھیک کہا ہے بزرگوں نے‘ جو چیز آسانی سے حاصل ہو جائے اس کی قدر نہیں ہوتی۔ جہنم تو تم نے میری زندگی بنا دی ہے۔ پتہ نہیں کب تم سے چھٹکارہ ملے گا۔“

نفرت نے عمارہ کا خوبصورت چہرہ بگاڑ دیا تھا۔

”چھٹکارہ تو میں تمہیں ابھی دے سکتا ہوں۔ میڈم عمارہ۔“ عباس نے دانت پیسے۔

”تو دے دو، انتظار کس بات کا ہے؟ اب بھی کتنے ہی لوگ میری راہوں میں پلکیں بچھائے کھڑے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ شادی کے بعد کوئی مجھے پوچھے گا نہیں، تم مجھے قید کر کے اس گھر میں رکھ لو گے۔“ عمارہ کی زہر میں بجھی ہوئی آواز آئی۔

”ہونہہ۔ تمہیں کون قید کر سکتا ہے۔ آزاد پنچھی ہو تم تو۔ اگر گھر میں رہنا جانتیں تو یہ گھر جنت نہ بن جاتا۔“ عباس کی آواز مدہم ہو گئی۔

”تو تم رہ لو گھر میں، مگر تمہیں کلب اور کلب کی تقریبوں سے فرصت ملے تو گھر کی طرف توجہ دو اور تم چاہتے ہو کہ میں تنہا اس گھر میں سڑتی رہوں۔ نہیں عباس احمد ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے تم۔“ عباس احمد نے بیڈ روم کا دروازہ زور سے بند کیا اور دوسرے بیڈ روم میں چلا گیا۔

”عباس احمد، اللہ کرے، تم مر جاؤ، جان کیوں نہیں چھوڑتے تم میری، دھمکیاں دیتے ہو۔ کبھی اس پر عمل بھی کر لیا کرو اور ایک اس اپنی لاڈلی کو میری جان کا عذاب بنا کر میرے ساتھ چپکا دیا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اس کو پالوں گی ہرگز نہیں وہ تمہاری اولاد ہے تم ہی پرورش کرو اس کی مجھ سے یہ توقع نہ کرنا کہ میں سانپ کو دودھ پلا کر بڑا کروں گی۔“

عمارہ عباس کے جانے کے بعد بھی چیخ رہی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اس کی آواز کم ہوتی گئی۔ کچھ دیر بعد خاموشی چھا گئی۔ لگتا تھا کہ وہ سو گئی تھی۔

پانچ سالہ خنساء کمرے کی تاریکی میں آنکھیں پھاڑے‘ اپنے والدین کی آوازیں سن رہی تھی۔ پتہ نہیں کب سے وہ یہ آوازیں سنتی آ رہی تھی۔ ان دونوں سے اسے بہت خوف آتا تھا۔ کبھی کبھار ہی یہ دونوں گھر میں اکٹھے ہوتے تھے اور پھر اس دن زوردار جھگڑا ہوتا تھا۔ خنساء پہلے ہی سے اپنے بیڈ روم میں دبک جاتی تھی اور لائٹ آف کر دیتی تھی کیونکہ اگر وہ ماما کو نظر آ جاتی تھی تو پاپا کا سارا غصہ اس پر اترتا تھا اور زوردار قسم کی مار پڑتی تھی۔

پتہ نہیں کتنا وقت گزر گیا۔ خنساء آنکھیں پھاڑے اندھیرے میں اپنے بھالو کو سینے سے لگائے دبکی پڑی تھی۔ اسے یوں لگتا تھا کہ وہ جیسے ہی آنکھیں بند کرے گی تو ماما آ کر اس کا گلا دبوچ لیں گی۔ آنسوؤں سے سارا تکیہ بھیگا ہوا تھا۔ نہ جانے رات کے کس پہر اس کی آنکھ لگی کہ دھڑ سے دروازہ کھلا۔

”خنساء۔!“ ماما کی کرخت اور تیز آواز آئی۔ ”تو تم ابھی تک سوئی پڑی ہو۔ بالکل باپ جیسی عادات اور شکل‘ وحشت ہوتی ہے تم دونوں کے وجود سے مجھے نہ وہ میری جان چھوڑتا ہے اور نہ تم مرتی ہو۔“ عمارہ کا چہرہ نفرت کی وجہ سے بگڑ گیا تھا۔

”خنساء! میں تم سے کہہ رہی ہوں۔ دیواروں سے باتیں نہیں کر رہی۔“ عمارہ چیخی اور کھینچ کر کمبل الگ کیا خنساء جو کمبل کے ساتھ چمٹی سوئی ہوئی تھی کمبل کے ساتھ ہی زمین پر آ رہی۔ گڑبڑا کر اٹھی۔ مگر پوری طور پر بیدار ہونے سے پہلے ہی زوردار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا۔

خنساء کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ نیند آنکھوں سے غائب ہو گئی۔

”ماما۔! سوری ماما۔“ وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ بغیر کسی قصور کے۔

”کس قدر غیر ذمہ دار لڑکی ہو تم‘ ساڑھے آٹھ ہو گئے ہیں۔ کبھی اسکول بھی جاتی ہو یا نہیں؟“

”جاتی ہوں۔“ منمناتی آواز نکلی۔

عمارہ تھوڑی دیر اسے گھورتی رہی۔ پھر بڑبڑائی۔

”تمہاری وجہ سے اس عذاب میں پڑی ہوں میں‘ ورنہ بہت پہلے میں عباس کو ٹھوکر مار کر جا چکی ہوتی۔ چھوڑنے کا سوچا تو تم دنیا میں آ گئیں۔ میری اس اذیت ناک زندگی کی واحد ذمہ دار تم ہو۔ صرف تم۔“ عمارہ کف اڑاتی ہوئی اس کی طرف بڑھی اور دیوانگی سے مارنا شروع کر دیا۔ جب تھک گئی تو ہاتھ روکا پھر ساکت پڑی خنساء کا منہ دبوچ کر اوپر کیا۔

”اگر تم نہ ہوتی تو میں کب کی آزاد ہو چکی ہوتی۔ مگر تمہارا باپ تمہاری وجہ سے مجھے طلاق نہیں دیتا۔ میری بے بسی سے لطف اٹھاتا ہے نہیں برداشت ہوتی مجھ سے تمہاری اور تمہارے باپ کی موجودگی۔ نفرت ہے مجھے تمہاری شکل سے، جس میں تمہارے باپ کا عکس جھلکتا ہے۔“ اور اسے زمین پر پھینک کر باہر نکل گئی۔

ماما کے جانے کے بعد وہ ہلکی آواز میں رونے لگی۔ بے ساختہ چیخیں جو ماما کے خوف سے اس نے بمشکل روکی تھیں۔ اب گھٹی گھٹی سی نکل رہی تھیں۔ کیونکہ ماما نے دھمکی دی تھی کہ اگر آواز باہر گئی تو وہ اس کا گلا دبا دیں گی۔ مگر اب نہ چیخیں رک رہی تھیں اور نہ آنسو۔ رات کو اسی ڈر سے وہ جلدی بیڈ روم میں گھس گئی تھی مگر ماما اپنا فرسٹریشن نکالنے کے لیے اسے ڈھونڈ ہی نکالتی تھیں۔

پتہ نہیں وہ کتنی دیر تک روتی رہی۔

”خنساء۔“ اتالی نے بہت پیار سے اسے پکارا۔ شاید دونوں پھر باہر نکل گئے تھے۔ اپنی اپنی زندگی انجوائے کرنے۔ ورنہ ان کی موجودگی میں اتالی کی ہمت نہ ہوتی تھی اس کے کمرے میں آنے کی۔

”خنساء! بے بی اٹھ جاؤ‘ بس کرو اب رونا وہ دونوں تو کب کے چلے گئے۔ اب نجانے کئی دن گھر کی طرف دیکھنا نصیب نہ ہو گا۔ شاباش تم اٹھو میں نے تمہارے لیے شاہی کباب بنائے ہیں۔ فیض جلالی ہے۔ تمہیں بہت پسند ہے نا۔“ اتالی نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

”مت کریں مجھے پیار اتالی‘ میری شکل بہت بری ہے۔ میں خود بھی بہت گندی ہوں۔ آپ مجھے پیار کریں گی تو آپ بھی گندی ہو جائیں گی۔ پھر ماما آپ کو بھی ماریں گی۔“ خنساء نے روتے ہوئے اس کے ہاتھ پیچھے کیے۔

”خنساء بیٹا‘ تم تو بہت پیاری ہو بہت خوبصورت ہو‘ مگر تمہارے والدین کو تمہاری قدر نہیں ہے۔ وہ دونوں اپنی خواہشات کے دائروں میں قید ہیں۔ دونوں ہی اپنی زندگی کے راستے میں تمہیں بوجھ سمجھتے ہیں۔ بیگم صاحبہ‘ عباس صاحب پر یہ بوجھ پھینک کر چلی جاتی ہیں اور عباس صاحب بیگم صاحبہ پر اور تم تنہا یہاں رہ جاتی ہو۔“ اتالی نے دکھ سے اس بچی کو دیکھا جو اپنی عمر سے بھی چھوٹی لگتی تھی۔ ہر وقت نامعلوم خوف کے حصار میں کمرے سے بھی باہر آنے سے ڈرتی تھی۔ آہٹ پر ڈر جانے والی۔ تیز ہوا سے خوفزدہ ہونے والی۔ اسکول جاتی تو وہاں سے شکایتیں آتی تھیں کہ پڑھائی میں دلچسپی نہیں لیتی۔ کسی سے بات نہیں کرتی۔ بچے مار کر بھاگ جاتے ہیں مگر کچھ جواب نہیں دیتی۔ ان کا ہاتھ نہیں روکتی اور مار کھاتی رہتی ہے۔ اتالی نے اس کے ساتھ اسکول جانا شروع کیا مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ وہ خنساء کو زندگی کی طرف متوجہ نہ کر سکیں۔

اس وقت بھی وہ خوف زدہ چاروں طرف جلدی جلدی آنکھیں گھما رہی تھی۔ اتالی کو یوں لگتا تھا کہ کسی دن اس بچی کا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا اور یہ پاگل ہو جائے گی۔

”خنساء۔“ اتالی نے اسے ہلکا سا ہاتھ لگایا۔ خنساء

اچھل پڑی۔
"تھک گئی، کون۔ انابی، آپ ابھی تک بیٹھی ہیں۔ آپ جائیے مجھے کچھ نہیں کھانا۔" اٹھ کر اپنے بیڈ پر لیٹ گئی۔
"میرے بہت درد ہو رہا ہے انابی۔" تھوڑی دیر بعد وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔
"میں صدقے۔" انابی تڑپ گئیں۔ "میں تمہارے لئے دوائی لاتی ہوں اور مرہم بھی۔ سارا درد ابھی دور ہو جائے گا۔"
انابی جلدی سے مرہم لائیں اور بہت نرمی سے اس کے زخموں پر لگانے لگیں۔ پھر دوائی کھلائی تو خنساء کو سکون ملا اور وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔
شاید سوتے ہوئے اسے کافی دیر ہو گئی تھی۔ انابی اسے جگانے آئی تو آٹھ بج رہے تھے۔
"خنساء اٹھو، پاپا ڈنر پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"
"پاپا۔؟" خنساء نے حیرانی سے انابی کو دیکھا۔ کتنا عرصہ ہو گیا تھا۔ پاپا نے براہ راست اس سے کوئی بات نہ کی تھی۔ آج اچانک پاپا اتنے مہربان کیسے ہو گئے تھے۔
پھر جلدی سے بستر سے اتر آئی۔ جانتی تھی کہ ذرا سی بھی دیر ہو گئی تو پاپا سخت خفا ہو جائیں گے۔ پاپا اسے زیادہ تو نہیں مارتے تھے مگر غصے میں کبھی کبھار چھڑیوں سے پٹائی کر دیتے تھے۔ اس نے جلدی سے منہ دھویا اور نیچے آ گئی۔ پاپا صبح کا اخبار پڑھ رہے تھے۔
"آؤ خنساء بیٹا، بیٹھو۔" اسے دیکھتے ہی پاپا نے اخبار نیچے رکھ دیا۔ خنساء خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی اور ان کی طرف دیکھنے لگی۔ جیسے پوچھنا چاہ رہی ہو کہ اب وہ کیا کرے۔
"خنساء۔" پاپا رازداری سے اس کی طرف جھکے۔ "ماما نے آپ کو کچھ کہا تو نہیں؟"
"نو پاپا۔" خنساء نے جلدی سے سر ہلایا۔
"سچ بتاؤ۔" پاپا نے اس کا بازو پکڑا تو اس نے بمشکل اپنی چیخ ضبط کی۔ بازو میں پہلے ہی بہت درد تھا اور نفی میں سر ہلایا۔ جانتی تھی کہ سچ کی صورت میں ماما اور پاپا کی ایک اور لڑائی اور اس کی ایک شاندار قسم کی پٹائی ہو گی۔
"او کے، آپ کھانا کھاؤ، مجھے ایک پارٹی سے ملنا ہے۔" پاپا کی دلچسپی اس کی ذات سے ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ کھانا کھائے بغیر ہی کھڑے ہو گئے۔ خنساء نے آہستہ سے انہیں گڈ نائٹ کہا تو وہ بھی گڈ نائٹ کہہ کر پلٹ گئے۔
ہر روز کے لڑائی جھگڑوں نے اسے عام بچوں سے مختلف بنا دیا تھا۔ نہ وہ بچوں کے ساتھ کھیلتی تھی اور نہ ہی کسی اور سرگرمی میں حصہ لیتی تھی۔
ایک دن بیٹھے بٹھائے اس نے انابی سے پوچھا۔
"میرے ماں، باپ ایسے کیوں ہیں؟ باقی سب کے ماں، باپ تو اپنے بچوں کو بہت پیار کرتے ہیں۔ پتہ ہے میری ساری کلاس فیلوز کو ان کے والدین اسکول چھوڑنے آتے ہیں۔ کل رحمہ بتا رہی تھی کہ اس کی ممی اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتی ہیں مگر میری ممی ایسا کیوں نہیں کرتیں۔ انابی میری شدید ترین خواہش ہے کہ میری ممی اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلائیں۔ مجھے اپنے ساتھ سلائیں۔"
"تو بے بی، آپ میرے ہاتھوں سے کھانا کھا لیا کریں۔" انابی نے پیار سے اس کے بال درست کئے۔
"نہیں انابی، آپ میری ممی تھوڑی ہیں۔" خنساء بور ہو گئی۔
"خنساء۔" نیچے سے ممی کی تیز آواز ابھری۔
"او ماما آ گئیں۔" خنساء تیزی سے باہر کی جانب لپکی۔
"یس ماما۔" ماما کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔
"یس ماما کی بچی۔" ماما نے جھپٹ کر اس کے بال پکڑے۔ "تمہاری پرنسپل کا لیٹر آیا ہے کہ کل تم نے اسکول میں ایک بچے کی پٹائی کی ہے۔"
"ماما! وہ مجھے مار رہا تھا۔ مجھے تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے تو بس ایک دو تھپڑ ہی اسے مارے تھے۔" خنساء نے وضاحت کی۔
"ہاں اور تمہاری پرنسپل جھوٹی ہے اتنی سی بات

پر وہ تمہاری شکایت بھیجے گی۔ خنساء میں تم سے تنگ آ گئی ہوں۔ میں روز روز تمہارے اسکول کے چکر نہیں لگا سکتی اور نہ ہی تمہاری شکایتیں سن سکتی ہوں بس کل سے تمہارا اسکول جانا بند۔ ٹیوٹر گھر پر پڑھانے کے لئے آئے گا اور تمہاری اس غلطی کی پوری سزا تمہیں ملے گی۔ تاکہ آئندہ تم اس قسم کی غلطی نہ کرو۔" عمارہ اسے گھسیٹتی ہوئی اسٹور روم کے پاس لائی اور وہاں اسے بند کر دیا۔
"کل تک اب تم یہاں بند رہو گی نہ تمہیں کھانا ملے گا اور نہ ہی کچھ پینے کے لئے۔" عمارہ نے سفاکی سے کہا اور اس کی التجاؤں کو نظر انداز کرتی ہوئی باہر چلی گئی۔
خنساء چیختی رہی۔ "ماما مجھے معاف کر دیں۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔ یہاں بہت اندھیرا ہے۔ مجھے یہاں سے باہر نکالیں۔ میں مر جاؤں گی۔"
مگر عمارہ سکون سے رسالہ پڑھتی رہی۔ شاید اس کے اندر کی ممتا بالکل دم توڑ چکی تھی۔ خنساء اس کے لئے صرف عباس کی بیٹی تھی اسے اذیت دے کر وہ تصور کرتی تھی کہ وہ عباس کو اذیت دے رہی ہے۔ بدلے لے رہی ہے۔
خنساء کا دم گھٹ رہا تھا۔ کہیں سے بھی تو روشنی نہیں آ رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر رونا شروع کر دیا۔ اچانک اسے اپنے پاؤں پر کوئی چیز رینگتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ اپنی زوردار چیخ پر قابو نہ پا سکی اور پاؤں کو زور سے جھٹکا پتہ نہیں کیا چیز تھی۔ اچھل کر دور جا گری۔ وہ اندھیرے میں ٹٹول کر ایک ٹوٹے ہوئے صندوق پر بیٹھ گئی۔
صبح سے شاید شام ہو گئی۔ وہ بھوکی پیاسی وہاں قید تھی۔ وقفے وقفے سے ماما کو آواز دیتی مگر ماما نے اس کی طرف سے کان بند کر لئے تھے۔
رات کو انابی عمارہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔
"خدا کا واسطہ ہے بیگم صاحبہ اسے معاف کر دیں بچی ہے، غلطی ہو جاتی ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ اب وہ کوئی غلطی نہیں کرے گی۔ صرف ایک بار اسے معاف کر دیں۔"
عمارہ نے بے زاری سے انابی کی طرف دیکھا اور اسٹور کی چابی اس کی طرف پھینکی۔
"اب آئندہ اس نے کوئی غلطی کی تو اس کے ساتھ ساتھ میں تمہیں بھی سزا دوں گی۔"
"جی بیگم صاحبہ۔" انہوں نے جھپٹ کر چابی اٹھائی اور دروازہ کھول کر لائٹ آن کی۔
خنساء ٹوٹے ہوئے صندوق پر نیم بے ہوشی کے عالم میں پڑی تھی۔ انابی جھپٹ کر اس کے پاس گئیں اور اسے سیدھا کیا۔ وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی "ماما پلیز مجھے معاف کر دیں۔ پلیز ماما مجھے معاف کر دیں۔"
انابی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے بخار میں تپتی ہوئی خنساء کو اٹھایا اور کمرے میں آ گئیں۔ عمارہ کو اس لئے اطلاع نہ دی کہ خنساء کی بیماری کا ان پر کوئی اثر نہیں ہونا۔
انابی ساری رات اس کے سرہانے بیٹھی رہیں۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتی رہیں۔ صبح کے قریب اس کی حالت سنبھلی تو انابی نے بے اختیار خدا کا شکر ادا کیا۔
اس دن کے بعد سے تو خنساء کبھی گھر سے نہ نکلی ہو گی۔ ٹیوٹر گھر پر آتا اور بہت خاموشی سے جو کچھ پڑھاتا۔ پڑھ لیتی سارا دن کمروں میں چکرائی پھرتی تھی۔

☆ —— ✧ —— ☆

وقت گزرتا رہا نہ خنساء کے والدین علیحدہ ہوئے اور نہ ہی ان کے لڑائی جھگڑے کم ہوئے۔ خنساء نے میٹرک کی کتابیں پڑھنی شروع کر دی تھیں مگر وہ اتنی ہی خوفزدہ اور خاموش طبع تھی اگر کسی دن انابی اس سے بات نہ کریں تو وہ بولنا ہی بھول جائے۔ خاموشی سے ایک ایک چیز کو دیکھتی رہتی اور جیسے ہی ماما، پاپا گھر میں داخل ہوتے وہ اپنے کمرے میں بند ہو جاتی تھی۔ ہر نئے جھگڑے کے بعد عمارہ اس کا دروازہ پیٹتی تھی۔ شاید بچپن کی طرح وہ اسے مار کر اپنا ڈپریشن کم کرنا چاہتی تھی مگر خنساء ان کی بے تحاشا گالیاں کھا کر بھی

دروازہ نہیں کھولتی تھی۔ بچپن کی یہ یادیں ابھی تک اس کے جسم سے اٹھتی تھیں اور اسے بے چین کرتی تھیں۔

"خنساء۔" عمارہ نے آواز دی۔ کچن سے نکلتی خنساء کے قدم رک گئے۔ مگر وہ عمارہ کے قریب نہ گئی جیسے قریب جاتے ہی عمارہ اسے کھا جائے گی۔

عمارہ اسے تھوڑی دیر غصے میں گھورتی رہی پھر بولی۔ "پاپا کہاں ہیں تمہارے؟"

"مجھے عرصہ ہو گیا۔ ان کو دیکھے ہوئے۔" خنساء نے آہستہ سے جواب دیا۔

"ہونہہ' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم ان کے معمولات سے واقف نہ ہو بہت لاڈلی ہو ان کی۔" لہجے میں حقارت جھلک رہی تھی۔

"غلط فہمی ہے آپ کی کہ میں ان کی لاڈلی ہوں۔ ان کے خیال میں میری شکل آپ سے ملتی ہے اس لئے وہ میری شکل ہی دیکھنا پسند نہیں کرتے۔"

"جھوٹ۔" عمارہ چلائی۔ "تمہاری شکل تمہارے باپ سے ملتی ہے۔ وہی نحوست تمہاری شکل پر بھی چھائی رہتی ہے۔"

خنساء کے حلق میں آنسو کی نمی پھیل سی گئی۔ اٹکتے ہوئے پوچھا۔

"ماما۔ کیا میں آپ کی سگی بیٹی ہوں؟"

"ہوں۔ یہی تو مصیبت ہے ورنہ میں تمہیں کب کی چھوڑ کر جا چکی ہوتی۔" عمارہ بڑبڑائی۔ "اس شخص کو زندگی کے اتنے سال جانے میں نے کیسے برداشت کیا ہے۔" عمارہ اپنی کن پٹی دبانے لگی۔ خنساء خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ جانتی تھی کہ اب سارا دن ماما نے پاپا کو اور اس کو کوسنا ہے۔

"خنساء بیٹی۔" انابی کی آواز نے اسے خوابوں کی دنیا سے نکالا جو غالباً" اسے دودھ دینے کے لئے آئی تھی۔ خنساء نے طویل سانس لیا اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ نیچے سے زوردار آوازیں آ رہی تھیں۔ غالباً پاپا آ گئے ہیں۔ خنساء نے سوچا۔ ماما اور پاپا زور زور سے چیخ رہے تھے۔

عمارہ کہہ رہی تھی کہ عباس نے کسی نیلم سے شادی کر لی ہے اور پاپا کہہ رہے تھے کہ عمارہ نے کسی عارف کے ساتھ شادی کا پروگرام سیٹ کر رکھا ہے۔

خنساء کا سر جھک گیا۔ اسے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی یہ کیسے لوگ تھے۔ بیٹی کی کسی کو پروا نہیں تھی۔ باپ نے کسی اور کے ساتھ شادی کر رکھی تھی اور ماں کسی اور کے ساتھ شادی کے پروگرام سیٹ کر رہی تھی اور وہ۔ وہ کہاں تھی۔ ان دونوں کے درمیان۔

کسی کو اس کا خیال نہیں تھا۔ ان میں سے کوئی بھی اپنی خواہشات سے باہر جھانک کر نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اگر ان دونوں نے شادی کر لی تو اس کا کیا بنے گا وہ کس کے پاس رہے گی۔ ٹھیک ہے۔ دونوں لڑتے تھے کئی کئی دن گھر نہیں آتے تھے۔ مگر دنیا کے سامنے وہ اس کے ماں باپ کی حیثیت سے موجود تو تھے اگر وہ دونوں علیحدہ ہو گئے تو وہ کہاں جائے گی؟

خنساء بے چینی سے پاگلوں کی طرح کمرے کے چکر لگا رہی تھی۔

انابی سے اس کی حالت دیکھی نہ جا رہی تھی۔ بے پناہ وحشت اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔ خوف سے اندیشوں سے وہ کانپ رہی تھی۔

"انابی۔" وہ انابی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ "کیا میری ماں باپ کی زبردستی کسی نے شادی کر دی تھی؟" خنساء کی آواز پھٹی پھٹی تھی۔

"نہیں بیٹا۔" انابی نے ٹھنڈی سانس لی اور دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"بڑی مشکلات سے گزر کر شادی کی تھی ان دونوں نے۔ بہت محبت تھی ان دونوں میں۔ شروع شروع کے دنوں میں تو لیلیٰ مجنوں کی جوڑی لگتے تھے۔ پھر تو جیسے اکتا گئے ایک دوسرے سے۔"

"یوں لگتا تھا کہ ایک دوسرے سے جی اکتا گیا ہے۔ دونوں رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے الگ ہوتے گئے۔ اپنی علیحدہ دنیا بسا لی۔ عمارہ بی بی نے کلب جانا شروع کر دیا۔ ہر وقت گھر سے باہر رہتی تھیں نہ جانے کن کن لوگوں سے ملنا شروع کر دیا تھا پہلے پہل تو عباس صاحب نے روکنا چاہا مگر وہ نہ رکی تو عباس صاحب اپنی دنیا میں مگن ہو گئے۔ بے پناہ لڑائی جھگڑے ہوتے تھے۔ پھر تم آ گئیں دونوں کو ہی تم اپنی دلچسپیوں کی راہ میں رکاوٹ نظر آتی تھیں کہ تمہاری وجہ سے ان کو گھر پر رہنا پڑتا تھا اور دونوں ہی تمہیں توجہ دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس بات پر مزید جھگڑے ہوتے تھے۔"

اسی وقت زوردار دھماکہ ہوا۔ خنساء بھاگ کر باہر آئی۔ پاپا کے ہاتھ میں بریف کیس تھا اور باہر جاتے ہوئے وہ چلا رہے تھے کہ "میں نے تمہیں طلاق دی' طلاق دی' طلاق دی' میں تمہارا غلام نہیں ہوں کہ تمہارے پلو سے بندھا رہوں۔ اب میرے جو جی میں آئے گا میں وہ کروں گا۔ میری طرف سے تم آزاد ہو۔"

خنساء کی آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی۔ جس کا اس کو اندیشہ تھا وہ ہو گیا تھا۔

"پاپا۔" اس نے آواز دی اور تیزی سے سیڑھیاں اتری۔ "پلیز پاپا مجھے اپنے ساتھ لے چلئے۔" وہ پاپا کا کوٹ پکڑے منت کر رہی تھی۔

عمارہ اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"عباس احمد۔! میں بھی تمہاری باندی نہیں ہوں۔ جانے سے پہلے اپنے اس شاہکار کو ساتھ لیتے جاؤ۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ اس ڈھول کو پیٹتی پھروں۔" عمارہ نے چیختے ہوئے خنساء کی طرف اشارہ کیا۔ عباس احمد نے جھٹکے سے اپنا کوٹ خنساء کے کمزور ہاتھ سے چھڑایا اور بولا۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے۔ تمہارے اس تحفے کو سنبھالنے کا۔ میں اپنی نئی حسین زندگی کی طرف جا رہا ہوں۔ اس میں تمہاری اور تمہاری اس بیٹی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

خنساء نے پلٹ کر ماما کو رحم بھری نظروں سے دیکھا کہ شاید وہ اسے رکھنے پر تیار ہو جائے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا کون کہہ سکتا تھا کہ اس کے والدین ہیں۔ انہوں نے اسے جنم دیا تھا اور دونوں ہی اس کے وجود سے منکر ہو رہے تھے۔ کیونکہ اس کا وجود ان کی نئی زندگی کی خوشیوں میں رکاوٹ تھا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں مگر اندر آنسوؤں کی برسات تھی۔

"عباس احمد۔! اگر تم اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ لے کر نہ گئے تو یاد رکھنا کہ میں تمہاری بیٹی کو دوزخ میں جھونک دوں گی۔" عمارہ کی سرد آواز ابھری۔

"میری طرف سے اس کا جو جی چاہے کرو۔ مجھے اس کی ذرہ بھر بھی پروا نہیں ہے۔ میرا اس کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ تمہاری آزادی کا پروانہ قانونی طور پر کچھ دنوں بعد تمہیں مل جائے گا۔" عباس احمد نے بے پروائی سے کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

خنساء ساکن کھڑی تھی۔ میں کتنی بے وقعت ہوں کہ کوئی بھی مجھے قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔ میں کہاں جاؤں گی۔ میں تو بہت چھوٹی ہوں میں تو کسی کو بھی نہیں جانتی۔ میرا تو کوئی دوست بھی نہیں ہے کہ میں اس کے پاس ہی چلی جاؤں۔ اگر ماما نے مجھے نکال دیا تو باہر اندھیرا ابھی بہت ہے۔

خنساء کا دل کانپنے لگا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے ماما کے کمرے کی طرف بڑھی جو صوفے پر بیٹھی اپنی سانس درست کر رہی تھی۔ خنساء کو دیکھتے ہی اس کی تیوری چڑھ گئی۔

"نہ تم پیدا ہوتی اور نہ تم کو یہ سزا بھگتنی پڑتی۔ اب بتاؤ میں تمہارا کیا کروں؟ خود تمہارا باپ تو عیش کر رہا ہے اور تمہیں میرے سر پر ڈال گیا ہے۔ عارف تو تمہیں قطعاً" قبول نہیں کرے گا۔" آخر میں آہستہ سے بولی۔

"ماما۔" خنساء عمارہ کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ "مجھے گھر سے مت نکالیں۔ میں آپ کے سارے کام کروں گی۔ آپ جیسا کہیں گی میں وہی کروں گی۔ مگر مجھے گھر سے نہ نکالیں۔" خنساء اس کے قدموں میں بیٹھی سسک رہی تھی۔ وہ تو اس گھر میں نوکروں کے ہوتے ہوئے بھی ڈر جاتی تھی۔ اکثر راتوں کو چیخیں مار مار کر اٹھتی تھی۔ کئی کئی راتیں سوئی نہیں تھی۔ اب اگر

یہاں سے نکالی گئی تو تنہا تو وہ مر جائے گی۔

"میں تمہیں یہاں سے نکال کر کہاں رکھوں گی۔ بہرحال مجھے جلد ہی تمہارا کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔"

عمارہ ابھی تک اسی سوچ میں تھی۔

"انابی! تم اس کو اس کے کمرے میں لے جاؤ۔" عمارہ نے انابی کو آواز دی۔ انابی آئیں اور خنساء کو اس کے کمرے میں لے گئیں۔

"خنساء! تم سو جاؤ ورنہ تمہیں کچھ ہو جائے گا۔" انابی نے اسے بستر پر لٹایا۔

"انابی! مجھے کچھ نہیں ہوتا۔ ہم جیسے ڈھیٹ لوگوں کو کبھی بھی کچھ نہیں ہوتا۔ مرنا ہوتا تو بہت پہلے مر جاتی۔" خنساء کی آواز میں لرزش تھی۔ انابی کا دل دکھ گیا۔

"نہیں بیٹا! ایسی باتیں نہیں کرتے۔"

"میرے دل میں بہت درد ہو رہا ہے۔ انابی مجھے بالکل نیند نہیں آ رہی۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ میں نے جیسے ہی آنکھیں بند کیں ماما بھی پاپا کی طرح مجھے چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ میں بالکل تمہارہ جاؤں گی۔"

خنساء پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"نہیں 'خنساء بیٹا' میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی۔" انابی نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ مگر خنساء روتی رہی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ اس کا دل کٹ رہا ہے۔ کسی کو بھی اس کی ضرورت نہ تھی نہ ماما کو نہ پاپا کو۔

کئی ہفتے گزر گئے۔ ماما صبح جاتی اور شام کو واپس آتی۔ خنساء پر امید نظروں سے اس کی طرف دیکھتی کہ شاید ماما کہہ دیں کہ یہ سب تو مذاق تھا میں اور پاپا تو تم سے بے تحاشا محبت کرتے ہیں یا میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ تمہارے پاپا چلے گئے تو کیا ہوا۔ میں تو موجود ہوں تمہارے پاس تمہارے لئے۔ مگر ماما کی جب بھی نظر اس پر پڑتی۔ تو خنساء سہم جاتی۔ ماما کی نظروں میں عجیب طرح کے سوالات ہوتے تھے کہ تم ابھی تک یہاں ہو۔ میں تمہارا کیا کروں۔ تم میری خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ ہو۔

اتوار کو خنساء بے مقصد ٹی وی کے چینل بدل رہی تھی کہ ماما تیزی سے اندر داخل ہوئیں اور فون لے کر وہیں لاؤنج میں بیٹھ گئیں۔ نمبر ڈائل کرتے ہوئے بولی۔

"خنساء! تم اندر جاؤ۔ ہر وقت بیٹھی ٹی وی نہ دیکھتی رہا کرو۔"

"جی ماما۔" خنساء خاموشی سے اٹھ گئی۔ اس نے کبھی بھی ان کا کہنا نہ ٹالا تھا۔ مگر پھر بھی وہ ہمیشہ ان سے خفا رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد عمارہ فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اتنے دنوں سے وہ عارف کو منانے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ خنساء کو ساتھ رکھنے پر بالکل راضی نہ تھا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف ریسیور اٹھنے کی آواز سنتے ہی بے چینی سے بولی۔

"ہیلو!"

"ہیلو!" تھوڑی دیر بعد ایک نرم آواز آئی۔

"تابندہ!" میں عمارہ بول رہی ہوں۔ عمارہ جلدی سے بولی۔

"عمارہ۔ کون عمارہ؟" دوسری طرف تابندہ حیرانی سے بولی۔ پھر جیسے یاد آ گیا ہو۔

"عمارہ عباس۔ تم نے اتنے سالوں بعد کیسے یاد کر لیا؟"

"بس تابندہ' ایک مشکل آن پڑی ہے۔ تمہاری مدد کی سخت ضرورت ہے۔ کیا تم اس وقت میرے پاس آ سکتی ہو؟"

"فون پر بات نہیں ہو سکتی؟"

"نہیں!" عمارہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فون کے ذریعے اسے یہاں بلا لے یا اس کے پاس چلی جائے۔

"اچھا' پھر میں ایک گھنٹے تک آتی ہوں۔"

"اوکے' بائے۔"

"بائے۔"

عمارہ نے فون رکھ دیا۔

تابندہ اس کی سگی چچازاد بہن تھی۔ اس نے جیسے ہی عباس سے شادی کی۔ پچھلے سب رشتوں کو بھلا دیا تھا۔ حالانکہ تابندہ اس کی بہترین دوست بھی رہی تھی اور اسی شہر میں اس کی شادی ہوئی تھی مگر پھر بھی وہ کبھی اس سے ملنے نہیں گئی۔ ایک دو دفعہ وہ آئی تو عمارہ نے اسے صحیح طرح سے اہمیت ہی نہیں دی تو اس نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ تابندہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ مگر عمارہ پرسے کے لئے بھی نہیں گئی۔ آج خنساء کے لئے اسے اچانک تابندہ کا خیال آیا تھا اس کے فون نمبر کی تلاش میں سارا شہر چھان مارا اور آج ملتے ہی اس کو فون کر ڈالا اور اب بے چینی سے ٹہل ٹہل کر اس کا انتظار کر رہی تھی۔

خنساء دروازے سے لگی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ماما اس کو نکالنے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ آخر ماما مجھ سے اتنا تنگ کیوں ہیں۔ وہ مجھے اپنے پاس کیوں نہیں رکھنا چاہتی؟ وہ کیوں یہ نہیں سوچتیں کہ میں ابھی بہت چھوٹی ہوں۔ میں ان کے بغیر کیسے رہ سکتی ہوں۔ میں تو پاپا کی طرح ان سے لڑتی بھی نہیں۔ پھر بھی وہ مجھ سے اتنی بے زار کیوں ہیں؟ وہ مجھے گھر سے کیوں نکالنا چاہتی ہیں؟"

خنساء آنکھوں میں نمی لئے کمرے کے اندر چلی گئی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ پورچ میں کوئی نئی گاڑی آ کر رکی۔ خنساء نے اس طرح کی گاڑی اپنے گھر میں پہلے کبھی بھی نہیں دیکھی تھی۔ "شاید وہ آنٹی ہیں جن کا ماما ذکر کرتی رہتی ہیں۔" اس نے سوچا۔ مگر گاڑی سے کوئی سوبر سی خاتون اتری تھیں۔ یہ کون ہیں؟ کیا ماما نے فون کر کے ان کو بلایا ہے؟"

خنساء ہر چیز پر غور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر خنساء نے کھڑکی پر سر ٹکا لیا۔ وہ بہت تھک گئی تھی۔

میں بہت بدصورت لڑکی ہوں۔ بہت بری کوئی بھی مجھ سے خوش نہیں ہے۔ کوئی بھی مجھے اپنے پاس رکھنے کو تیار نہیں ہوتا۔ شاید ماما مجھے ان خاتون کے سپرد کرنا چاہتی ہیں۔ ٹھنڈی سرد ہوا خنساء کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی مگر خنساء کو بالکل بھی سردی نہیں لگ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ گرم ہوا کے جھونکے اس کے چہرے کو چھو رہے ہیں۔ جھٹکے سے پردہ برابر ہو گیا اور بیڈ پر آ گریٹ گئی۔ آنسو روانی سے بہہ رہے تھے مگر اسے کوئی احساس نہ تھا۔

عمارہ' تابندہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ آگے بڑھ کر اس کے گلے ملی۔

"تم سوچ بھی نہیں سکتیں تابندہ کہ تمہیں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے۔" عمارہ واقعی بہت خوش تھی۔

"جھوٹ مت بولو عمارہ' مجھ سے اتنی محبت ہوتی تو اس ایک شہر کے اندر رہتے ہوئے تم مجھے اتنے سالوں کے بعد یاد نہ کرتیں۔" تابندہ نے شکوہ کیا۔

"کیا بتاؤں تابندہ۔ کن الجھنوں میں گرفتار ہوں۔" عمارہ نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم اور الجھنیں رہنے دو عمارہ' تمہاری تو محبت کی شادی تھی۔ سارا خاندان تم پر رشک کرتا تھا۔ آخر ایک رئیس زادہ تمہیں پسند کرتا تھا تم نے تو تایا اور تائی کی بھی ایک نہ سنی۔ تایا جی اسی غم میں مر گئے۔ مگر تم نے عباس احمد سے شادی کر کے چھوڑی۔ زندگی کی ہر سہولت تمہیں حاصل تھی اور ہے' تم کن الجھنوں کی بات کرتی ہو؟" تابندہ نے بے یقینی سے بات کی۔ اسے عمارہ کی بات پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"ہونہہ۔ زندگی کی ہر سہولت۔" عمارہ حقارت سے بولی۔ "عباس احمد کے ساتھ شادی میری زندگی کی سب سے بڑی بھول ہے۔ جس کا خمیازہ میں ساری زندگی بھگتتی رہوں گی۔ عباس نے میری زندگی تباہ کر دی۔ شادی کے بعد خود سارا وقت اپنی گرل فرینڈز کے ساتھ گزارتا تھا اور چاہتا تھا کہ میں نیک پروین بنی گھر میں اس کا انتظار کرتی رہوں اور ٹی بی زدہ ہو کر مر جاؤں۔ اگر خنساء کی زنجیر میرے قدموں میں نہ ہوتی تو میں کب کی اسے چھوڑ کر جا چکی ہوتی۔ خیر خس کم جہاں پاک۔ طلاق دے دی اس نے مجھے اس ماڈل گرل نیلم کے پیچھے۔ پتہ نہیں اس بڈھی میں اسے کیا نظر آیا۔ خنساء سے تو بڑا بیٹا ہے۔ پہلے شوہر سے یا پتہ نہیں

دوسرے شوہر سے اور عباس تو پاگل ہو رہا تھا اس کے پیچھے۔"

تابندہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی جو اپنی طلاق کا ذکر اتنے سکون سے کر رہی تھی۔

"کیا عباس نے تمہیں طلاق دے دی اور دوسری شادی کرلی؟"

"ہاں۔ چھٹکارہ مل گیا۔ آخر کار مجھے تابندہ ساری زندگی میں نے اس جہنم میں گزار دی۔ کیا زندگی کی خوشیوں پر میرا کوئی حق نہیں۔" عمارہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ جس سے تابندہ کافی متاثر ہوئی۔

"کیوں نہیں عمارہ' زندگی پر تمہارا بھی حق ہے۔" ہمدردی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"لیکن میں خضاء کا کیا کروں اسے کس کے پاس چھوڑوں؟" عمارہ اصل موضوع کی طرف آئی۔

"کیا مطلب؟" تابندہ حیران ہوئی۔ "تمہاری بیٹی ہے اپنے پاس رکھو۔"

"مگر عارف اسے اپنے ساتھ رکھنے کو تیار نہیں ہے۔" عمارہ بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ کہتا ہے کہ وہ کسی اور کی اولاد نہیں سنبھال سکتا۔"

"عمارہ۔" تابندہ حیرت زدہ رہ گئی۔ "وہ تمہاری اولاد ہے۔ کسی اور کی نہیں کیا تم نے اسے بتایا نہیں؟"

"بتایا تھا مگر وہ نہیں مانتا' تم ہی بتاؤ۔ میں کیا کروں؟ ایک طرف زندگی میری طرف بانہیں پھیلائے کھڑی ہے۔ عارف بے حد مہذب انسان ہے۔ میں زندگی میں کبھی بھی اس سے زیادہ اچھے انسان سے نہیں ملی۔"

"یہ الفاظ کبھی تم عباس کے لئے استعمال کرتی تھیں۔" تابندہ نے طنزیہ کہا۔

"اوہ۔ کہا نا' وہ میری غلطی تھی۔" عمارہ جھنجلائی۔

"عمارہ! کہیں دوسری غلطی نہ کرلینا۔" تابندہ نے تنبیہہ کی۔

"یہ فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ مگر یہ خضاء میرے پاؤں کی زنجیر ہے۔ وہ خود تو چلا گیا۔ عیش کرنے کے لئے مگر اسے میرے پاس چھوڑ گیا۔ سارا بوجھ میرے سر پر ڈال گیا۔" عمارہ اپنی بے زاری اتنی نفرت سے بول رہی تھی کہ تابندہ کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے متعلق بات کر رہی ہے۔

"عمارہ۔ تم ہمیشہ سے شدت پسند رہی ہو۔ جو چیز تمہیں پسند آجائے تو سارے رشتے فراموش کر کے اسے حاصل کرتی ہو اور پھر اتنی ہی تیزی سے پیچھے ہٹ جاتی ہو۔ ہزار خامیاں تمہیں اپنے فیورٹ میں نظر آنے لگتی ہیں مگر اب معاملہ تمہاری اپنی بیٹی کا ہے کیا تم اپنی خواہش' اپنے خوابوں کے پیچھے' اپنی بیٹی کو تنہا چھوڑ دو گی۔ وہ بہت چھوٹی ہے۔ اس عمر میں بچوں کو ماں اور باپ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر تم دونوں کتنے خود غرض ہو۔ اپنی اپنی خواہشات کے پیچھے دیوانہ وار بھاگ رہے ہو اور اپنی سب سے قیمتی چیز کی پروا ہی نہیں کر رہے ڈرتی ہوں عمارہ۔ جہاں تمہاری دوڑ ختم ہوئی وہاں پر تمہیں احساس ہوگا کہ تم تو خالی ہاتھ رہ گئی ہو کچھ نہیں رہا تمہارے پاس پھر واپسی ہوگی تو تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔" تابندہ انتہائی دکھ سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر اس پر کوئی اثر ہوتا نظر نہ آرہا تھا۔

تابندہ کو یہ وہی عمارہ نظر آرہی تھی جس نے تایا جی کی ہر بات ماننے سے انکار کر دیا تھا اور گھر سے بھاگنے کی متعدد بار کوشش کی تھی تایا جی نے جان دی پھر بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور دوسرے ہی دن اس نے عباس سے شادی کرلی اور سارے رشتے داروں سے رشتہ توڑ لیا۔

عمارہ کہہ رہی تھی "تابندہ! بات خود غرضی کی نہیں ہے۔ زندگی بہت چھوٹی ہے اور ہر ایک کو یہ حق ہے کہ وہ خوشیاں حاصل کرے۔ خضاء اس کی بھی تو بیٹی ہے۔ اسے بھی تو اس کا کوئی احساس نہیں ہے میں جانتی ہوں کہ اس نے خضاء کو میرے پاس اس لئے چھوڑا ہے تاکہ اس کی وجہ سے میں شادی نہ

ترسوں۔ کوئی بھی قبول نہ کرے۔ اور اسے تسکین ملتی رہے کہ طلاق کے بعد بھی میں اپنی مرضی کی زندگی نہیں گزار سکتی۔" عمارہ تحقیر سے بول رہی تھی۔

"پھر تم نے مجھے کیوں بلایا۔ جب میری کسی بات کا تم پر اثر ہی نہیں ہے؟" تابندہ نے بے زاری سے پوچھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم خنساء کو اپنے پاس رکھ لو۔ عارف اور میں شادی کے بعد باہر جا رہے ہیں۔ جب واپس آئیں گے تو میں تم سے واپس لے لوں گی۔ خنساء بہت اچھی بچی ہے۔" عمارہ نے جلدی سے اپنا اصل مقصد بیان کیا۔

"مگر میں اسے کیسے رکھ سکتی ہوں۔ میں اگلے ماہ انگلینڈ جا رہی ہوں۔ وہاں میرا ایک چھوٹا سا آپریشن ہے۔ پھر شاہد بھائی کی بیٹی کی وہاں شادی ہے۔ تمہیں شاہد بھائی تو یاد ہوں گے میرے بڑے بھائی' وہاں سے فارغ ہو کر حج کے لئے جاؤں گی۔ تقریباً" سال کے بعد میری واپسی ہو گی۔ گھر میں میرا بیٹا ہے عابس۔ دو بیٹیوں کی میں نے شادی کر دی۔ دونوں ہی ملک سے باہر ہیں۔ بڑا بیٹا بھی شادی کے بعد اپنی جاب کی وجہ سے علیحدہ رہتا ہے۔ عابس بھی سی ایس ایس کی تیاری کر رہا ہے۔ پتہ نہیں بعد میں صورت حال کیا ہو۔ میں بھلا اکیلے عابس کے پاس خنساء کو کیسے رکھ سکتی ہوں۔" تابندہ نے تفصیل سے اسے بتایا۔ تاکہ وہ کسی قسم کی شکایت نہ کر سکے۔

عمارہ ہونٹ سختی سے بھینچے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر سختی سے بولی "تم مجھے انکار کر رہی ہو تابندہ۔ حالانکہ ہم دونوں صرف چچا زاد بہنیں ہی نہیں ہیں بلکہ بہت اچھی دوست بھی رہی ہیں۔ تم نے ہمیشہ میری مدد کی ہے مگر اب تم مجھے یوں صاف انکار کر رہی ہو۔" عمارہ کی آواز سرد ہو گئی تھی۔

"میں تمہیں انکار نہیں کر رہی بلکہ اپنی مجبوری بیان کر رہی ہوں ہاں سال بعد تم اسے میرے حوالے کر دینا۔ پھر چاہے ساری عمر پلٹ کر نہ دیکھنا میں اسے پال لوں گی۔ مگر تمہاری پرابلم سے پہلے ہی میرا پروگرام سیٹ ہے۔ ورنہ میں کوئی گنجائش نکال ہی لیتی۔ سارے کاغذات مکمل ہیں۔ عابس ویزا تک لے آیا ہے۔ بھلا تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟" تابندہ نے بے بسی سے وضاحت کی کہ شاید وہ سمجھ جائے۔

"ٹھیک ہے۔" عمارہ کھڑی ہو گئی۔ "تم کچھ نہیں کر سکتیں مگر میں تو بہت کچھ کر سکتی ہوں۔ میں ابھی اس کے باپ کے پاس جا رہی ہوں۔ اگر اس نے قبول کر لیا تو ٹھیک ورنہ میں اسے دارالامان چھوڑ آؤں گی۔ اگر وہاں بھی کسی نے قبول نہ کیا تو میں کسی کے ساتھ اس کی شادی کر دوں گی بلکہ یہ ٹھیک کہ میں اس کی شادی کر دوں تاکہ ہمیشہ کے لئے اس کی فکر سے میری جان چھوٹے۔" عمارہ اپنے آخری خیال پر بہت خوش ہوئی۔

"عمارہ! تم پاگل ہو رہی ہو وہ چودہ سال کی ایک ننھی کلی ہے۔" تابندہ اس کی بات سن کر دہشت زدہ سی ہو گئی۔ "تم اپنی زندگی کے لئے اپنی بیٹی کی زندگی تباہ کر دو گی۔ محض اس لئے کہ اس وقت وہ تمہیں اپنی راہ کی رکاوٹ لگ رہی ہے۔ عمارہ ہوش کرو۔ اولاد جیسی نعمت کے لئے تو دنیا ترستی ہے۔ مسجدوں' درباروں پر رو رو کر اسے مانگا جاتا ہے۔ آج اتنی آسانی سے تم لوگوں کو یہ حاصل ہو گئی ہے تو تم لوگوں کو یہ بوجھ لگ رہی ہے۔ دھتکار رہے ہو تم دونوں اس کو ایسا نہ کرو ایسا نہ ہو کہ زندگی اور خدا تمہیں دھتکار دے۔ تمہیں کبھی اولاد ہی نصیب نہ ہو۔ ساری زندگی تم دونوں اولاد کو ترسو گے۔ پچھتاؤ گے یہ بچی ساری زندگی تمہیں معاف نہیں کرے گی۔ جس کا بچپن تم نے اس سے چھین لیا ہے۔"

"مجھے کسی اولاد کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میں پلٹ کر اسے دیکھوں گی۔ میں تو ایک ہی سے بھر پائی اور تم مزید کی بات کرتی ہو۔" عمارہ نے تلخی سے کہا۔

"عمارہ! مجھے بار بار اس بچی کا خیال آ رہا ہے کہ اس کی ذہنی حالت کیا ہو گی جسے تم نے اتنی نفرت سے پالا ہے۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دو کہ میں کچھ سوچ

سکوں۔ میں چند دنوں بعد تم سے رابطہ کروں گی۔ عمارہ' تمہیں خدا کا واسطہ ہے کہ اس بچی کے متعلق اتنی جلدی فیصلہ نہ کرنا۔" تابندہ کو لگا جیسے اس کا دل اس بچی کے دکھ پر پھٹ جائے گا۔ "اچھا میں چلتی ہوں۔"

"تابندہ! جلدی سوچنا' میرے پاس صرف ہی مہینہ ہے۔ عارف اور میں جلدی باہر جارہے ہیں اگر تم نے کچھ نہ سوچا تو پھر مجھے ہی سوچنا پڑے گا۔" عمارہ کی آواز پیچھے سے آئی تو تابندہ نے دکھ سے اسے دیکھا۔ شاید وہ ممتا سے سارے رابطے توڑ چکی تھی۔

تابندہ کو سیڑھیوں پر ایک معصوم سی بچی نظر آئی اس کا سفید رنگ اور پھیلی ہوئی آنکھیں عجیب سا تاثر دے رہی تھیں۔ خون کی کوئی رمق بھی اس کے چہرے سے جھلک نہیں رہی تھی۔ برف کی طرح سفید' سرد اور ساکن۔ بے حد کمزور اور لاغر۔

"پیاری بچی' تمہارا تو سب کچھ ہی چھن گیا۔"

تابندہ چلی گئی۔ اس کا دل دکھ رہا تھا۔ اس بچی کے لئے جو ٹھوکروں کی بھینٹ چڑھ گئی تھی۔ دل چاہا کہ اس بچی کو وہ سمیٹ لے۔ مگر وہ کیا کرے اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

☆ ـــــ ❖ ـــــ ☆

دو تین دن گزر گئے۔ تابندہ کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کس صورت میں اس گھر میں رہے۔ وہ ہر حال میں اس بچی کو بچانا چاہتی تھی۔ اچانک ایک انوکھا خیال اس کے ذہن میں آیا۔ کم از کم اس طرح وہ دربدر بھٹکنے سے تو بچ جائے گی۔" تابندہ نے اپنے تپ سے کمال اور پھر رک گئی۔

"کچھ عجیب نہیں لگے گا؟"

"نہیں۔" پھر نفی میں سر ہلایا۔ "ناممکن تو نہیں ہے لڑکی ہے جلد بڑی ہو جائے گی۔"

تابندہ الجھ گئی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

"کیا عابس مان جائے گا۔" اس نے سر پکڑ کر سوچا۔ عموں میں فرق بھی تو بہت ہے۔ ایم ایس سی کے بعد کتنا عرصہ تو جاب کی اور اب پی ایس ایس کر رہا ہے۔ تیس سال کے قریب تو عمر ہو گی۔ وہ ٹھہری چودہ سال کی بچی جسے عمارہ نے کبھی دنیا کو دیکھنے ہی نہیں دیا۔ گھر میں قید رکھا۔ چلو عابس بھی مان جائے۔ مگر دنیا والے کیا کہیں گے؟"

تابندہ نے سوچا مگر پھر ایک مضبوط فیصلہ کر لیا کہ لوگوں کی کوئی پروا نہیں کرنی۔ لوگوں کی پروا کی تو بچی تباہ ہو جائے گی اس طرح کم از کم محفوظ تو ہو جائے گی۔ آگے اللہ مالک۔

حتمی فیصلے کے بعد انھی اور عمارہ کا فون ملایا۔

"ہاں عمارہ' کیا تمہارا عارف کے ساتھ شادی کا فیصلہ برقرار ہے؟" ایک مدہم سی امید تھی کہ عمارہ کی ممتا جاگ اٹھے اور وہ بھی اس آزمائش سے بچ جائے۔

"ہاں' میں صرف تمہارے فون کی منتظر تھی۔" عمارہ کی بے تاثر آواز ابھری۔ تابندہ کے دل میں دکھ کی لہر اٹھی۔ مگر پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

"عمارہ! میں خنساء کا رشتہ عابس کے لئے مانگ رہی ہوں۔ کیا تمہیں قبول ہے؟"

"کیا۔ عابس کے لئے؟" عمارہ حیران ہوئی۔ تابندہ تلخی سے ہنسی۔

"تو کیا تم پندرہ سال کے بچے کے ساتھ اس کی شادی کر کے جاؤ گی۔ تمہیں عابس سے اچھا رشتہ اور کوئی نہیں مل سکتا۔"

"خیر۔" عمارہ کی آواز ابھری۔ "مجھے قبول ہے۔ تم جلد سے جلد آکر اپنی امانت وصول کر لو۔" عمارہ کو جلدی تھی۔

"عمارہ! میں انتیس تاریخ کو انگلینڈ' دس بجے کی فلائٹ سے جارہی ہوں۔ آٹھ بجے تک ہم نکاح کرنے آجائیں گے۔ ٹھیک ہے نا۔" تابندہ نے پروگرام سیٹ کیا۔

"ٹھیک تو ہے' مگر 29 میں تو ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ تم یہ نکاح پہلے بھی تو کر سکتی ہو۔" عمارہ نے تھوڑی سے الجھن ظاہر کی۔

"میں یہی وقت مناسب سمجھتی ہوں۔" تابندہ کے لہجے میں ہلکی سی ترشی اور تلخی تھی۔ "تم میرا انتظار کرنا۔"

"ہاں' میں تمہاری منتظر رہوں گی۔ ویسے انتیس کو میری بھی فلائٹ ہے۔ ساڑھے دس بجے۔ میں نکاح کرتے ہی روانہ ہو جاؤں گی۔" عمارہ نے اطلاع دی۔

"یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ عمارہ۔" تابندہ نے سکون کی سانس لی۔

"او کے بائے۔" تابندہ نے فون رکھ دیا۔

"اب سب سے کٹھن مرحلہ باقی تھا۔ عابس کی رضامندی۔ لیکن تابندہ جانتی تھی کہ تھوڑا سا شور کر کے وہ اس کی بات مان لے گا۔" تابندہ کوئی اچھا سا موقع تلاش کر رہی تھی۔ اس سے بات کرنے کا۔

عابس دوستوں کے ساتھ مل کر کمبائن اسٹڈی کر رہا تھا۔ دو اور دوست بھی تیاری کر رہے تھے۔ وہاں سے واپس آیا تو کافی فریش موڈ میں تھا۔ تابندہ نے چائے اس کے ہاتھ میں دی اور خود پاس بیٹھ کر وہ الفاظ مرتب کرنے لگے۔ جن کے ذریعے وہ اپنی بات صحیح طرح کو سمجھا سکے۔

عابس نے امی کو مضطرب دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ کوئی خاص بات کرنا چاہ رہی ہیں۔

"امی۔! کیا ہوا؟" آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔" عابس نے چائے نیچے رکھی۔

"پریشان تو نہیں ہوں' البتہ خوش ہوں کیونکہ میں نے اپنے پیارے بیٹے کی شادی جو طے کر دی ہے۔ 29 تاریخ کو تمہارا نکاح ہے۔" تابندہ نے ایک ہی سانس میں اپنی بات مکمل کی اور سکون کا سانس لیا۔ جیسے سارا بوجھ اتر گیا ہو۔

عابس تو بھونچکا رہ گیا۔ "کس کی شادی' کس کا نکاح؟"

"تمہاری شادی' تمہارا نکاح۔!" تابندہ نے نہایت سکون سے کہا۔

"مگر ممی آپ جانتی ہیں کہ ابھی میں ایگزام دے رہا ہوں۔ پھر میری کمٹمنٹ ہے' عالیہ کے ساتھ کہ میں سی ایس ایس کرتے ہی اس سے شادی کر لوں گا اور آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ یہ ایگزام میں صرف اس کی وجہ سے دے رہا ہوں کہ اسے یہ جاب پسند ہے۔"

عابس حیران تھا کہ ممی اس کے پروگرام سے واقف تھیں پھر بھی انوکھی ضد کر رہی ہیں۔

"عالیہ کسی سے بھی شادی کر لے گی۔ مگر عابس تم میری خواہش پوری کرو گے اور میری خواہش خنساء ہے۔ تم صرف اس سے شادی کرو گے۔" تابندہ نے اب سختی اختیار کی۔

"مگر ممی' میری پسند' میری کمٹمنٹ۔" عابس نے بات مکمل کرنے کی کوشش کی۔

"بھاڑ میں گیا سب کچھ' تم صرف میری خواہش پوری کرو گے۔" تابندہ کا ضبط رخصت ہو گیا تھا۔ عابس خاموش ہو گیا۔

"تم عالیہ سے بہت محبت کرتے ہو؟" عابس کو خاموش دیکھ کر تابندہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ مگر وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔ پھر میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔ آپ جانتی ہیں کہ میں اپنا وعدہ ضرور نبھاتا ہوں۔" عابس نے امی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"اس لئے تو وہ لڑکی میں تمہارے حوالے کر رہی ہوں کہ تم اس کا خیال کرو گے۔ اس رشتے کو نبھاؤ گے۔ عابس میں اس کی ماں کو زبان دے چکی ہوں کیا تم اپنی بات کو میری بات پر ترجیح دو گے۔"

"امی۔! مجھے کچھ سوچنے دیں۔" عابس بے بس ہو گیا۔

"نہیں۔! سوچنے کی گنجائش نہیں ہے۔" تابندہ کھڑی ہو گئی۔ وہ دوستوں کو ساتھ لے لیتا۔ رخصتی اسی وقت ہو گی۔ بعد میں لوگوں کو خود ہی پتہ چل جائے گا کہ تمہاری شادی ہو گئی ہے۔"

"امی' فرحی بادی' ثمینہ آپی' بڑے بھیا ان سب کو نہیں بلانا ہے۔" عابس کو ممی کے اس انوکھے پلان نے چکرا دیا۔

"نہیں' میں خود ہی ان کو بتا دوں گی۔" مجھے ائر پورٹ پر چھوڑ کر اس لڑکی کو تم گھر لے آنا۔ اس کی بابا بھی باہر جارہی ہیں۔ اس لئے ایمرجنسی میں شادی کرنی پڑ رہی ہے۔ عابس۔! میرے بیٹے' تم میرا مان ہو' اس

لڑکی کا خیال رکھنا۔ اب تمہارے سوا اس کا کوئی نہیں ہے۔" تابندہ معنوں میں بات کررہی تھی۔

"آپ کی باتوں سے میں یہ قیاس کررہا ہوں کہ میں اپنے حلقہ احباب میں اپنی شادی کا ذکر نہ کروں۔" عابس نے ان کی باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا۔

"ابھی تو یہی بہتر ہے۔ لڑکی گھر آجائے۔ پھر تمہارا جی چاہے تو بتادینا۔" تابندہ خود الجھی ہوئی تھی۔ اسے کیا بتاتی۔

عابس چکرایا ہوا تھا۔ "امی۔! مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ میرے ساتھ کیا کرنے جارہی ہیں۔ آپ ایک لڑکی سے خود میری خفیہ شادی کررہی ہیں۔" عابس سخت پریشان تھا۔

"کوئی خفیہ شادی نہیں ہے یہ۔ جب میں کہہ رہی ہوں کہ تمہاری بہنوں کو میں خود اطلاع کردوں گی تو تمہیں کس چیز کی فکر ہے اور زیادہ میرے ساتھ بحث نہ کرو۔" تابندہ چڑ کر اٹھ گئی اور عابس بے بسی سے انہیں دیکھتا رہا۔

"پتہ نہیں امی میرے ساتھ کیا کررہی ہیں؟" وہ بڑبڑایا۔

اور تابندہ سوچ رہی تھی کہ خنساء کو دیکھ کر عابس کے پتہ نہیں کیا تاثرات ہوں گے پہلے خود تو قبول کرلے پھر چاہے سارے زمانے کو بتاتا پھرے۔

☆ — ❖ — ☆

"خنساء! یہ لو کاغذ اور اس پر سائن کرو۔" عمارہ نے بھالو کے ساتھ کھیلتی خنساء کو ایک کاغذ پکڑایا۔ خنساء نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔

"ملا۔ آپ کہیں جارہی ہیں۔ پلیز مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔" اس نے التجا کی۔

"گوانتھ لڑکی۔ جہاں جارہی ہوں وہاں تمہیں بھی ساتھ لے کر جارہی ہوں۔ یہ وہیں کے کاغذات ہیں۔ جلدی سے سائن کرو میرا دماغ خراب مت کرو۔"

خنساء نے خاموشی سے سائن کردیئے۔ وہ جانتی تھی ملا اس سے جھوٹ بول رہی ہے۔ وہ جہاں بھی جارہی ہے۔ اسے ساتھ نہیں لے کر جارہیں بلکہ کسی اور کے حوالے کررہی ہیں۔ شاید اس خاتون کے جو ملا کے پاس آتی رہتی ہیں۔

عمارہ نے انابی کو سب کچھ بتادیا تھا کہ وہ خنساء کے ساتھ ہی رہیں گی اور مناسب موقع دیکھ کر اسے سب کچھ بتادے گی۔ فی الحال اسے کچھ نہیں بتایا جارہا۔

عمارہ نے وہ کاغذات جا کر مولوی صاحب کے حوالے کردیئے تھے کہ لڑکی نے ہاں کردی ہے اور سائن بھی کردیئے ہیں۔"

عابس خاموشی سے یہ تمام کارروائی دیکھ رہا تھا۔ وہ تو پہلے ہی الجھا ہوا تھا کہ امی پتہ نہیں اس کے ساتھ کیا کررہی ہیں۔

نکاح وغیرہ سے فارغ ہو کر عمارہ اور تابندہ دونوں ہی ائرپورٹ کے لئے روانہ ہو گئیں۔

تابندہ نے عابس کو تاکید کی کہ اسے ائرپورٹ پر چھوڑ کر وہ اپنی بیوی کو لے کر گھر چلا جائے۔

"لو گے۔ ممی۔" عابس نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔ نکاح کے دو بولوں نے اس کے اندر گدگدی سی پیدا کردی تھی۔ خواہش ابھر رہی تھی کہ جلد از جلد اسے دیکھے۔ جو یوں اچانک اس کی زندگی میں داخل کردی گئی ہے۔

"خنساء کتنا خوبصورت اور منفرد نام ہے۔" عابس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ تمام راستے اسے سوچتا رہا۔ جو اس کے نام کے ساتھ وابستہ کردی گئی تھی۔

ائرپورٹ پر کافی دیر ہوگئی تھی۔ جہاز لیٹ روانہ ہوا۔ عابس ایک بجے کے قریب واپس آیا بار بار اس کا خیال آرہا تھا کہ اس کی امی کو بھی امریکہ جانا تھا وہ کتنی اداس ہوگی۔ ان کے جانے سے اور اب تو وہ بالکل اکیلی ہوگی اس کا انتظار کررہی ہوگی۔

بنگلے میں اندر داخل ہوا تو چاروں طرف سناٹے بول رہے تھے۔ سبھی نیند کے مزے لے رہے تھے۔ عابس نے پورچ میں گاڑی کھڑی کی تو دروازے پر ایک بوڑھی عورت کھڑی تھی۔ شاید ملازمہ ہے۔ عابس نے

سوچا۔

"خنساء کہاں ہیں؟" میں انہیں لینے کے لئے آیا ہوں۔ میں عابس ہوں ان کا شوہر۔"

عابس بے چینی سے اس کا انتظار کرنے لگا۔

"خنساء۔" انابی نے خنساء کو تو ازدی۔ جو کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ خنساء پلٹی۔

"انابی۔ ملا چلی گئی ہیں نا، مجھے چھوڑ کر میں اب کہاں جاؤں گی۔ کس کے پاس جاؤں گی؟ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" خنساء کانپ رہی تھی۔ آنسو اس کا پورا چہرہ بھگو رہے تھے۔ خنساء انابی سے لپٹ گئی۔

"خنساء بیٹا، حوصلہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اب ہمیں اس گھر کو چھوڑنا ہوگا۔ جہاں رہنا ہے وہ ہمیں لینے کے لئے آیا ہے۔ اب ہم تابندہ بی بی کے گھر رہیں گے۔"

"کیا۔؟ میں تابندہ آنٹی کے پاس رہوں گی۔" خنساء نے سر اٹھایا۔ "آپ ان کے ساتھ رہیں گی۔ تب اپنا سامان سمیٹ لیں وہ انتظار کررہا ہے۔" انابی باہر نکل گئی۔

عابس بے چینی سے اس کا انتظار کررہا تھا۔ دل بے اختیار ہو رہا تھا اسے دیکھنے کے لئے۔ صبر نہ ہو سکا تو ٹہلنے لگا۔

انابی آئیں۔ تو وہ ٹھہر گیا۔ "کیا ہوا وہ آپ کے ساتھ آئیں کیوں نہیں؟" عابس نے پوچھا۔

"عابس میاں۔! عمارہ بی بی اور تابندہ بی بی نے خنساء بیٹا کو اس رشتے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہے۔ اگر آپ کی مرضی ہوگی تو اسے بتا بھی دیجئے گا اور سمجھا بھی دیجئے گا۔" انابی نے سادگی سے کہا اور واپس چلی گئی۔

"ہائیں۔ کیا مطلب؟" کچھ نہیں بتایا تو پھر نکاح کیسے ہوگیا۔ یہ دونوں امیاں مل کر میرے ساتھ کیا کررہی ہیں؟" عابس نے سر پکڑ لیا اور پھر مسکرایا۔ خیر سامنے تو آئیں بتا بھی دیں گے سمجھا بھی لیں گے۔

خنساء اپنا سامان پیک کرچکی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھی۔ اپنے بھالو کو سینے سے لگائے انابی کے ساتھ باہر آگئی۔

عابس کی آنکھیں دروازے پر ہی لگی ہوئی تھیں۔ انابی کے ساتھ ایک عجیب سی بچی باہر نکلی۔ سہمی ہوئی۔ خوفزدہ، کسی لاش کی طرح سفید، پلے پلے بازو لٹک رہے تھے۔ بہت لاغر تھی۔ بس آنکھیں ہی آنکھیں پورے چہرے پر نمایاں تھیں۔

عابس نے اچک کر انابی کے پیچھے دیکھا کہ شاید شرم کے مارے خنساء انابی کے پیچھے رہ گئی ہوں اور یہ انابی کی کوئی اپنی ہی رشتہ دار ہو۔ انابی نے اطمینان سے بیک سیٹ کا دروازہ کھولا اور سامان رکھ کر بچی کو بٹھایا اور خود بھی بیٹھ گئیں۔

"ارے یہ کیا بات ہوئی۔ آپ خنساء کو کہاں چھوڑ آئیں؟" عابس گاڑی کی طرف لپکا۔

"خنساء میرے ساتھ بیٹھی ہے۔" انابی نے اطمینان سے اس بچی کی طرف اشارہ کیا جو بے حد خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا۔؟" عابس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ دھپ سے زمین پر بیٹھ گیا اور اپنا سر پکڑ لیا۔ خنساء کے آنسو رواں ہوگئے۔ شاید تابندہ آنٹی اور ان کے گھر والے بھی مجھے قبول نہیں کررہے۔ ملا زبردستی مجھے ان کے حوالے کرگئی ہیں۔ سبھی تو یہ بھی اتنا پریشان ہورہے ہیں مجھے دیکھ کر ان کو کتنا صدمہ ہورہا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی مجھے قبول نہیں کرسکتا۔ کہیں بھی میرے لئے جگہ نہیں ہے۔

خنساء نے انابی کے کندھوں پر سر رکھ دیا تاکہ اس کے ہونے کا یقین کرسکے۔

"آپ شاید پاگل ہورہی ہیں۔" عابس نے سنبھل کر سر اونچا کیا اور مشکوک انداز میں انابی کی طرف دیکھا۔

"میں نہیں بلکہ آپ پاگل ہورہے ہیں۔" انابی پوری طرح مطمئن تھی۔

"آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ میرا ان کے ساتھ۔" عابس رک گیا۔ وہ رونے والا ہو رہا تھا جملہ پورا کرتے ہوئے بھی اسے شرمندگی ہورہی تھی بھلا وہ

اس بچی کے سامنے کیسے کہہ سکتا تھا کہ اس کا نکاح اس سے ہو چکا ہے۔

"ہاں آپ اسی سے وابستہ ہیں۔" اناں بی نے ڈھکے چھپے انداز میں بات مکمل کی۔

"ایک انہونی بات کر رہی ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ لوگوں نے میری امی کے ساتھ دھوکہ کیا ہے ورنہ ان کی والدہ یوں منہ چھپا کر جلدی سے بھاگنے کی نہ کرتی۔"

عابس غصے سے پھنکارا۔ اس کے اندر دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ ساری دنیا کا کیسے سامنا کرے گا۔ لوگوں سے اس کا تعارف کیسے کروائے گا۔ لوگ کن نظروں سے اسے دیکھیں گے۔

"میں نے کوئی انہونی بات نہیں کی۔ اور نہ ہی یہ میرا فیصلہ ہے۔ آپ بھول رہے ہیں کہ میں صرف اس گھر کی ملازمہ ہوں اور خنساء کی اناں ہوں۔ اور پھر یہ کوئی ناممکن بات بھی نہیں ہے اور آپ کی امی کے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں ہوا۔ انہوں نے خنساء کو دیکھ کر ہی یہ فیصلہ کیا تھا۔ یہ سب کچھ ان کا طے کردہ ہے۔"

دونوں خنساء کی سمجھ سے بالاتر باتیں کر رہے تھے اور پھر اسے دونوں کی باتوں سے کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی وہ تو بس اپنے ہی دکھ میں مبتلا تھی کہ اب وہ کہاں جائے گی۔

"عابس میاں۔ !فیصلہ جو ہونا تھا ہو چکا اب آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ گاڑی چلایئے ہم آپ کو اس فیصلے کے پس منظر سے آگاہ کر دیں گے۔ پھر آپ کو یہ فیصلہ درست لگے گا آپ چاہیں تو موبائل پر اپنی امی سے رابطہ کر سکتے ہیں۔"

عابس نے جلدی سے موبائل آن کیا۔ نمبر پریس کیا مگر امی کا موبائل آف تھا۔ عابس نے جھنجلا کر گاڑی میں پھینک دیا۔ اسے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ گاڑی چلا سکے گا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کسی دیوار کے ساتھ ٹکر مار کر اپنا سر پھاڑ لے یا گاڑی کو کہیں دے مارے۔ پتہ نہیں امی نے کس چیز کا بدلہ اس سے لیا تھا۔

پھر عابس نے آہستگی سے گاڑی اسٹارٹ کی اور اناں بی اسے تفصیل سے خنساء کے متعلق بتا رہی تھیں۔ عابس خاموشی کے ساتھ ان کی بات سن رہا تھا اناں بی نے جب اپنی بات مکمل کر لی تو عابس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ناممکن کہ کوئی ماں اپنی اولاد کے ساتھ ایسا کر سکتی ہے۔ ہاں اولاد ضرور اس قسم کا سلوک بڑھاپے میں ماں باپ کے ساتھ کر سکتی ہے۔" عابس نے ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ محض اسے متاثر کرنے کے لئے یہ کہانی گھڑی گئی ہے تاکہ وہ کسی طرح اس لڑکی کو قبول کر لے۔

"عابس میاں۔ !جب والدین اپنی خواہشات کے اسیر ہوں تو اولاد انہیں پاؤں کی زنجیر کی طرح لگتی ہے ان دونوں نے پہلے دن سے ہی اسے بوجھ خیال کیا ایک دن بھی کسی نے اس کا حال نہ پوچھا۔ ایک دن بھی اس کی ماں نے اسے اپنے پاس نہیں سلایا۔ جس دن ان کے سامنے یہ آجاتی تو ان کے خیال میں ان کا دن غارت ہو جاتا تھا۔ آپ کی امی عظیم ہیں کہ انہوں نے اس بچی کو بچانے کی خاطر یہ فیصلہ کیا ورنہ عمارہ بی بی تو کہیں بھی اسے ڈال کر چلی جاتیں۔" اناں بی نے اپنی عقل کے مطابق عابس کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"مگر کوئی اور بھی تو طریقہ ہو سکتا تھا۔ میرے ساتھ ایسا کیوں کیا آپ لوگوں نے؟ یہ بہت چھوٹی ہے اور میں تیس سے اوپر ہوں۔" عابس چلایا۔

خنساء جو اناں بی کے ساتھ ٹیک لگائے سو رہی تھی عابس کے چلانے پر ڈر کر اٹھ گئی اور رونا شروع کر دیا۔

عابس نے تیز نظروں سے روتی ہوئی خنساء کو دیکھا اور دہاڑا "خاموش ہو جاؤ تم۔"

خنساء ڈر کر چپ ہو گئی۔ اس نے اپنی سسکیاں اندر ہی دبا لیں۔

اور گھر کے سامنے گاڑی روک کر عابس نے سیٹ کے ساتھ سر لگا لیا۔

"تم حالات کو سمجھنا بھی چاہو تو نہیں سمجھ سکتے تابندہ بی بی اگر یہ فیصلہ نہ کرتیں تو تم کس طرح اسے اپنے پاس رکھ سکتے تھے۔" اناں بی نے ایک اور کوشش کی اسے سمجھانے کی۔ عابس نے جھٹکے سے دروازہ کھولا اور اناں بی کی طرف دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔

"مجھے آپ کی کوئی بھی دلیل متاثر نہیں کر سکتی اور یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔" پھر آگے بڑھ کر گیٹ کھولا اور گاڑی اندر لے گیا اور باہر نکل کر بہت سے کمروں کے اندر گم ہو گیا۔

اناں بی کچھ دیر تو انتظار کرتی رہیں کہ شاید وہ واپس آئے۔ ان کو اندر آنے کے لئے کہے۔ ان کے کمرے دکھائے مگر کافی انتظار کے بعد بھی وہ واپس نہ آیا تو اناں بی خنساء کے ساتھ خود ہی نیچے اتر آئیں اور خنساء کا بیگ ایک ہاتھ میں پکڑ کر دوسرے ہاتھ میں خنساء کا ہاتھ پکڑا اور اندر کی طرف چل پڑیں۔ کافی خوبصورت اور بڑا گھر تھا۔

اناں بی نے خود ہی ایک مناسب کمرہ تلاش کر کے خنساء کا سامان سیٹ کیا اور اسے لٹا دیا اور خود بھی وہاں لیٹ گئیں کہ کل دوسرا کمرہ اپنے لئے دیکھ لیں گی۔

دوسری صبح عابس نے اناں بی کو گھر میں چلتے پھرتے دیکھا تو کوئی توجہ نہ دی۔ وہ مسلسل امی سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر انہوں نے مستقل اپنا موبائل آف کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے غصے میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کی اسٹڈی بھی متاثر ہو رہی تھی۔

وہ باہر آیا تو خنساء لاؤنج میں بیٹھی تھی اور بے مقصد ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ عابس تھوڑی دیر اسے گھورتا رہا۔

"سنو۔" عابس نے اسے متوجہ کیا۔ "اپنے کمرے میں جاؤ اور باہر مت نکلا کرو۔"

"جی۔" خنساء سعادت مندی سے اٹھ گئی۔

"بیٹھو۔" عابس نے حکم دیا۔ خنساء فوراً بیٹھ گئی۔

"اٹھو۔" دوسرا حکم آیا۔ خنساء تیزی سے اٹھ گئی۔

"او میرے خدایا۔ کیسی بچی ہو تم' کیا تمہاری کوئی مرضی نہیں ہے۔" عابس نے سر پکڑ لیا۔

اناں بی نے خنساء کو نرمی سے پکڑا اور اس کے کمرے کی طرف لے جاتے ہوئے بولی۔ "عابس میاں یہ ہوا میں اڑتے ٹوٹے ہوئے پتے کی مانند ہے۔ جس کی قسمت میں بکھرنا لکھا ہے اور آپ مرضی کی بات کرتے ہو۔"

"اف۔" عابس نے طویل سانس لیا ان دونوں کو اس گھر میں چلتے پھرتے دیکھتا ہوں تو کبھی اپنے آپ کو بہت مظلوم تصور کرتا ہوں کہ جس کے ساتھ یہ ظلم کیا گیا کہ سہانے خواب دکھا کر یہ کھلونا بہلنے کے لئے دے دیا گیا ہو۔ اور کبھی اپنے آپ کو بہت گھٹیا تصور کرتا ہوں کہ ایک بد قسمت بچی کو میں مزید دکھ دے رہا ہوں۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں۔" وہ اکیلا کھڑا چلا رہا تھا۔

خنساء مسلسل روئے جا رہی تھی۔ "اناں بی ہم یہاں سے چلے کیوں نہیں جاتے۔ وہ بھائی اتنا خفا ہو رہے ہیں۔ اتنا ناراض ہے' ہمارے یہاں رہنے پر آیئے اناں بی ہم ان کا گھر خالی کر دیتے ہیں ورنہ مجھے لگتا ہے کہ کسی دن وہ میری پٹائی لگائے گا اور دھکے دے کر یہاں سے نکال دے گا۔"

"کچھ بھی نہیں ہو گا بیٹا' کچھ بھی نہیں ہو گا۔ وہ بہت اچھا انسان ہے' بس تھوڑا الجھ گیا ہے۔ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر دیکھنا وہ تمہارا کتنا خیال رکھتا ہے۔ اور تمہارا بھائی نہیں ہے' تابندہ بی بی کا بیٹا ہے۔" اناں بی نے اسے تسلی دی تو خنساء تلخی سے ہنس دی۔

"خیال' اناں بی' میرا کوئی خیال نہیں رکھ سکتا۔ مجھ سے کوئی بھی محبت نہیں کر سکتا۔"

"خنساء بیٹا' ایک بات جان لو کہ ہم اس گھر کے سوا کہیں اور نہیں جا سکتے۔ ہمارا اس کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ میں آج ہی تابندہ بی بی سے بات کرتی ہوں۔"

عابس کی غیر موجودگی میں اناں بی نے تابندہ کو فون کیا اور تمام صورت حال سے آگاہ کیا تو تابندہ نے خنساء کو فون پر بلایا اور اتنے پیار سے اس سے باتیں کیں اور

اسے لان میں نظر آئی۔ اسے دیکھتے ہی بھاگنے لگی تو عابس گاڑی لاک کیے بغیر اس کے پیچھے بھاگا اور اندر داخل ہونے سے پہلے اسے پکڑ لیا اور ہاتھ پکڑ کر زبردستی لان میں لے آیا اور وہاں پڑی ہوئی ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

خنساء روئے جا رہی تھی۔ "سوری سر! میں اندر سے نہیں نکلی مگر جب لائٹ چلی جائے تو مجھے دن میں بھی ڈر لگتا ہے اس لیے میں لان میں آ گئی۔ آپ میری پہلی غلطی سمجھ کر معاف کردیں مجھے اسٹور میں بند نہ کریں۔" وہ کانپ رہی تھی۔

عابس اس کی حالت پر حیران رہ گیا۔

"گڑیا۔ کیا ہوا؟ دیکھو میں تو تمہارا دوست ہوں یہ دیکھو میں تمہارے لیے چاکلیٹ لایا ہوں۔"

خنساء حیرانی سے اسے دیکھنے لگی پھر آہستہ سے اس کے ہاتھ سے چاکلیٹ لے لی۔ اور غور سے اسے دیکھنے لگی تو عابس دوبارہ بولا۔ "کیا ہوا گڑیا۔ اتنی خاموش کیوں ہیں آپ؟"

پھر دل میں بولا "کیا حالات ہوگئے ہیں میرے کل تک خیالوں میں جان من' پیاری' وغیرہ کے القابات سے یاد کرتا تھا تو آج وہ بے بی گڑیا' لعنت ہو مجھ پر' عابس کو ہنسی آ گئی۔

خنساء بالکل خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ناشتہ کیا تھا خنساء آپ نے؟"

خنساء نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"لنچ؟"

خنساء نے دوبارہ انکار کیا۔

"ہائی گاڈ! کیا تم انسان نہیں ہو تمہیں بھوک نہیں لگتی۔ جبھی تو یہ حالت ہے کہ چلتی ہو تو لگتا ہے کہ ہوا اپنے ساتھ اڑا کر لے جائے گی۔ اٹھو۔" عابس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے آیا۔ وہ روبوٹ کی طرح اس کے ساتھ چل رہی تھی۔

"اناں بی۔" اندر آکر آواز دی۔ تو اناں بی فوراً آ گئیں اور ان دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھ کر حیران ہو گئی۔

"اناں بی' آپ کو ذرا بھی پروا نہیں کہ خنساء بھوکی ہوگی۔"

"وہ' عابس میاں میں نے تو بہت اصرار کیا مگر یہ کچھ کھانے کو تیار ہی نہیں۔"

خنساء حیرت سے عابس کو دیکھ رہی تھی جو اس کی اتنی پروا کر رہا تھا۔ عابس اس کی حیرت بھانپ گیا مگر کوئی پروا نہ کی۔

"اناں بی' آپ کھانا لگائیے میں دیکھتا ہوں کہ یہ کیسے نہیں کھاتی۔"

اناں بی جلدی سے کچن کی طرف چلی گئیں۔

"اور خنساء مجھے لگتا ہے کہ تم نے صبح سے منہ بھی نہیں دھویا۔ چلو اٹھو جلدی سے نہا کر کپڑے بدل کر آؤ میں بھی فریش ہو کر آتا ہوں۔ پھر دونوں مل کر کھانا کھاتے ہیں۔"

عابس جلدی جلدی کا شور مچاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وہ ایسے ظاہر کر رہا تھا کہ جیسے وہ اور خنساء بچپن کے دوست ہوں اور ان میں کوئی اجنبیت نہ ہو۔

خنساء ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔ پھر آہستہ سے اٹھی۔ غسل کر کے نئے کپڑے بدلے اور کھانے کی میز پر آ گئی وہ بے حد گھبرا رہی تھی اسے لگ رہا تھا کہ اگر اس نے عابس کی بات نہ مانی تو وہ اس کی پٹائی لگائے گا اور ماما کی طرح اسٹور میں بند کردے گا۔ عابس آیا۔ تو وہ میز کے قریب کھڑی انگلیاں چاٹ رہی تھی۔

"گندی بچی۔" عابس نے اس کا ہاتھ نیچے کیا اور واش بیسن کے پاس جا کر خود اس کے ہاتھ دھلائے۔

"آؤ میں تمہیں خود کھانا کھلاتا ہوں۔" عابس جانے کس خیال سے بولا۔ خنساء کو بے اختیار اپنی خواہش یاد آ گئی کہ ماما اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلائیں اور آج یہ اجنبی اس کی خواہش پوری کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اونہوں رونا نہیں۔" عابس نے ہلکا سا ڈانٹا اور چھوٹے چھوٹے لقمے اس کے منہ میں ڈالتا رہا۔ خنساء نے ضرورت سے زیادہ کھانا کھا لیا اسے کھانا کبھی بھی اتنا مزے دار نہیں لگا تھا جتنا آج لگ رہا تھا۔ جگنو اس کی آنکھوں میں چمکنے لگے۔

عابس اس کے چہرے کا سکون محسوس کر رہا تھا۔

"چلو آؤ۔" کھانے کے بعد عابس اس کے کمرے میں ساتھ ہی آ گیا اور بستر پر لیٹ کر اسے کہانی سنانے لگا۔ خنساء حیرانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی کہ اسے لگ رہا تھا کہ یہ سب مذاق ہے کوئی خواب ہے۔ وہ عابس کے کندھے سے لگی سو گئی۔ اناں بی مستقل اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ جب خنساء سو گئی تو عابس نے اس کا کمبل درست کیا اور اناں بی کو سونے کا اشارہ کر کے باہر آ گیا۔

اس کے سارے جذبات مر گئے تھے۔ اس کے لیے خنساء ایک ایسی بچی تھی جسے اتفاق نے اس کی ذمہ داری بنا دیا تھا۔

پھر تو یہ عابس نے اپنا معمول بنا لیا جب تک وہ گھر میں ہوتا تھا۔ خنساء کو اپنے ساتھ ساتھ لگائے پھرتا تھا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے کام خود کرتا تھا۔ ہر روز واپسی پر اس کے لیے مختلف کھانے پینے کی چیزیں لاتا تھا۔ خنساء کو تو ہر دن عید کا دن لگتا تھا۔

اس کے چہرے کا خوف قدرے کم ہو گیا تھا۔

ایک دن عابس اس کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ اچانک خنساء نے اس سے پوچھا۔

"سر۔ میں آپ کو بھی کہوں یا انکل؟"

عابس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ بڑی مشکل سے تھوک نگل کر بولا۔

"نہ انکل نہ بھائی۔ آپ مجھے عابس کہہ کر بلایا کریں۔"

"مگر عابس تو آپ کا نام ہے۔" خنساء الجھی۔

"ہاں بالکل میرا نام ہے۔ دیکھو ہم دونوں دوست ہیں اور دوست ایک دوسرے کو نام کے ذریعے بلاتے ہیں۔" عابس نے تحمل سے اسے سمجھایا۔

"اوکے۔ ٹھیک ہے۔" خنساء مطمئن ہو گئی۔

"خنساء اب تم بستر پر چلو' مجھے کچھ پڑھنا ہے۔" اور پھر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

خنساء بستر پر لیٹ گئی۔ اسے نیند بالکل نہیں آرہی تھی۔ اسے ماما یاد آرہی تھی۔ پاپا یاد آتے تھے پتہ نہیں پاپا کو مجھ سے محبت کیوں نہیں تھی ان کی نفرت بھری نظریں خنساء کو اکثر یاد آتی تھیں وہ جب بھی خنساء کی طرف دیکھتی تھیں تو منہ کا زاویہ بگڑ جاتا تھا۔ بار بار بڑبڑاتی تھی کہ کب [illegible] آئے گی اس کو اپنے ساتھ لے جائے گی۔

آنسو اس کا تکیہ بھگو رہے تھے۔ کبھی کبھار پاپا اپنے ساتھ کھانا کھلا کر یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے باپ ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اپنا فرض پورا کر دیا ہے اب خنساء کا کوئی قرض ان پر نہیں ہے۔

خنساء نے اپنی ہتھیلیاں اپنی آنکھوں کے سامنے کیں جن کا درد وہ ابھی بھی محسوس کر سکتی تھی۔ ذرا سی غلطی پر پاپا ان ہاتھوں پر چھڑیاں مارا کرتے تھے۔ یہ دیکھے بغیر کہ وہ کتنی کم عمر ہے۔ اتنی چوٹ سہہ بھی سکتی ہے کہ نہیں۔

اس کی آنکھ لگ گئی۔ تو اسے ماما نظر آئیں۔ ماما اس کا گلا دبا رہی تھیں کہ وہ چڑیل ہے ڈائن ہے۔ اس کی وجہ سے اس کی زندگی خراب ہو گئی۔ میں تمہیں مار ڈالوں گی۔ میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔

خنساء زور زور سے چیخنے لگی۔ "مجھے مت ماریے ماما' مجھے مت ماریے' میں نے کچھ نہیں کیا۔"

عابس نیند میں اس کی چیخیں سن کر دوڑتا ہوا اپنے کمرے سے آیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اناں بی اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھیں اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ بالکل پاگل محسوس ہو رہی تھی۔ وہ مسلسل چلا رہی تھی۔ "مجھے مت ماریے ماما' خدا کے واسطے مجھے مت ماریے۔"

عابس نے اناں بی کو ایک طرف کیا اور آہستہ سے اسے آواز دی "خنساء' خنساء" مگر وہ اپنے ہوش میں نہیں تھی۔ عابس نے زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ خنساء یکدم خاموش ہو گئی۔ آنکھیں کھول دیں۔ شدید سردی میں بھی وہ پسینے پسینے ہو رہی تھی۔ اناں بی نے عابس کو پانی پکڑایا۔

"خنساء" عابس نے اس کے گھنے بال پیچھے کیے۔ "گڑیا ڈر گئی ہو کیا؟"

خنساء اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "عابس بھائی۔! اماں مجھے مار ڈالیں گی۔"

"عابس بھائی۔!" عابس کراہ اٹھا۔ "پہلی بات تو یہ کہ تم مجھے عابس بھائی ہرگز نہیں کہو گی۔"

"جی۔" خنساء جو پہلے ہی ڈری ہوئی تھی۔ مزید ڈر گئی۔

"اور دوسری بات یہ کہ تم پانی پی لو۔" عابس نے اپنے آپ کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔

"جی۔" خنساء نے گلاس لیا اور ایک ہی سانس میں ختم کر دیا۔

"اماں۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ میں خنساء کے پاس ہوں۔" عابس نے اماں سے کہا مگر وہ وہیں کھڑی رہی۔

"اماں۔" عابس نے سختی سے کہا تو اماں ہچکچاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

اماں کے جانے کے بعد عابس نے نائٹ بلب آن کیا اور خنساء کا کمبل درست کر کے اس پر آیت الکرسی پڑھ کر پھونکی۔

"عابس۔! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" خنساء نے حیرانی سے اسے عجیب غریب حرکتیں کرتے دیکھا۔

"بچپن میں جب میں ڈر جایا کرتا تھا تو امی ایسا ہی کرتی تھیں پھر مجھے ڈر نہیں لگتا تھا۔ لہٰذا اب تم بھی نہیں ڈرو گی۔" عابس ہلکا سا ہنسا۔

"آپ کو بھی ڈر لگتا تھا؟ آپ تو بہت بڑے سارے ہیں۔"

عابس ہنس پڑا۔ "بھئی سب بڑے کبھی نہ کبھی بچے ضرور ہوتے ہیں اور بچوں کو ڈر لگتا ہی ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے اور میں بھی کسی زمانے میں بچہ رہا ہوں۔" عابس شگفتگی سے بولا۔

خنساء پرسکون ہو گئی تھی۔ عابس کی بات پر مسکرانے لگی۔

"اچھا اب آنکھیں بند کرو۔ میں یہاں پر بیٹھا ہوں۔ کوئی بھی تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تم بے خوف ہو کر سو جاؤ۔ تمہاری اماں اگر تمہارے خواب میں بھی آئی تو میں انہیں سنبھال لوں گا۔"

خنساء پرسکون ہو گئی۔

"عابس آپ جائیں گے تو نہیں؟"

عابس نیچے قالین پر لیٹ گیا اور کمبل اوپر اوڑھ لیا۔ "نہیں بھئی، میں یہیں ہوں اپنا ہاتھ ادھر دو۔" عابس اس کا ہاتھ پکڑ کر سو گیا۔ خنساء کو بھی فوراً نیند آ گئی۔

عابس صبح اٹھا تو سردی کی وجہ سے اکڑا پڑا تھا۔ خنساء کو دیکھا تو بے حد سکون سے سو رہی تھی۔ عابس کو بے حد ترس آیا۔ خوشیوں کو ترسی ہوئی لڑکی۔ مجھے اس کا بے حد خیال رکھنا ہے۔ جو کچھ ہوا اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ پھر میرا کیا قصور ہے۔ دل نے دہائی دی۔ بے شک نہ ہو مگر اس بچی کو ایسے نہیں چھوڑا جا سکتا دماغ نے صحیح رستہ دکھایا۔

عابس ناشتہ کر کے ڈاکٹر عمران کی طرف چلا گیا۔ بچوں کے مسائل حل کرنے میں اسے خاص شہرت حاصل تھی۔ اس سے مل کر خنساء کی تمام ہسٹری بتائی تو ڈاکٹر عمران نے کہا کہ اسے کسی خاص دوائی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بہت زیادہ توجہ، محبت اور تحفظ کی ضرورت ہے۔ جس دن اسے ان چیزوں پر یقین آ گیا اس دن وہ ٹھیک ہو جائے گی۔

عابس نے اسے اور زیادہ وقت دینا شروع کر دیا۔ خنساء اب کچھ صحت مند نظر آتی تھی۔ عابس اکثر اسے بازار اپنے ساتھ لے کر جاتا تھا جس چیز کی طرف وہ اشارہ کرتی تھی وہ لے کر دیتا تھا۔ عابس اسٹڈی کر کے واپس آیا تو وہ اسے لان میں نظر آئی۔

"ہیلو خنساء کیا حال ہیں؟"

"ہم ٹھیک ہیں۔"

عابس نے سنجیدگی سے اس کا جائزہ لیا وہ اس کی دوسری خواہشات پوری کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ مگر اس کے حلیے کی طرف اس کا ذہن نہیں گیا تھا کہ سب سے پہلے تو اس کا ظاہری حلیہ ٹھیک کرنا چاہئے تھا۔ خنساء بے حد کمزور تھی اپنی عمر سے بھی چھوٹی لگتی تھی جسم لاغر جیسے کسی آٹھ سال کے بچے کا

ہو بڑے بڑے بکھرے بال جو اکثر کنگھی سے بے نیاز رہتے تھے بے حد کمزور چہرہ اور ضرورت سے زیادہ بڑی آنکھیں جن میں کوئی انجانا سا خوف تھا۔ تھوڑا سا مختلف تاثر تو پڑتا تھا مگر یہ کوئی حیرت انگیز بات تو نہیں تھی اگر کوئی بیمار ہو جائے تو کمزور تو لگتا ہے لیکن وہ بدصورت ہرگز نہ تھی اگر وہ مکمل طور پر صحت مند ہو جائے زندگی کی خوشیوں سے اپنا حصہ وصول کرنے لگے تو بہت خوبصورت لگتی آخر اتنے خوبصورت والدین کی اولاد تھی۔

عابس کو غیر محسوس طور پر وہ عزیز ہو گئی تھی وہ اس کا زندگی پر اعتماد بحال کرنا چاہتا تھا۔

"خنساء! کیا تمہیں میرا یقین ہے۔" عابس نے اچانک پوچھا۔

"بہت زیادہ۔" خنساء نے سر ہلایا۔

"دیکھو اس کالونی میں کتنے لوگ رہتے ہیں مگر میں نے صرف تم سے دوستی کی ہے۔ اس لئے سبھی جلتے ہیں ہماری دوستی سے۔" عابس نے اسے بچوں کے انداز میں ڈیل کیا۔ خنساء اس کے قریب ہو کر بیٹھی۔

"کیا ہم دوست ہیں؟" اس نے تصدیق چاہی۔

"بالکل پکے دوست۔" عابس نے اس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔

"تو آپ اب تو مجھے اس گھر سے نہیں نکالیں گے۔ اب تو میں آپ کی پکی دوست ہوں۔" خنساء نے اپنے اندر کا خوف ظاہر کیا۔

عابس نے بے اختیار ماتھا پیٹ لیا۔ پھر بے بسی سے بولا۔ "مجھے لگتا ہے کہ امی کے آنے تک تم یہ گھر اپنے نام کرا لو گی۔"

"جی آپ نے کیا کہا۔" خنساء تھوڑا سا آگے جھکی۔

"کچھ نہیں تم فوراً اٹھو، آج ہم تھوڑی لیڈیز شاپنگ کریں گے۔"

عابس نے سب سے پہلے اس کے بال سیٹ کروائے کچھ کپڑے لے کر دیئے۔ آئس کریم کھلائی اور واپس لے کر آیا تو خنساء بہت خوش تھی۔ اس نے پہلی دفعہ اپنے کپڑے خود خریدے تھے۔

"عابس۔! کیا یہ سب چیزیں میری ہیں؟" خنساء کپڑے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

"نہیں، میں خود پہنوں گا۔" عابس نے کتاب پڑھتے ہوئے جواب دیا۔ خنساء حیران رہ گئی پھر آہستہ سے بولی۔

"آپ کچھ اچھے تو نہیں لگیں گے ان کپڑوں میں۔"

عابس بے اختیار ہنس پڑا۔ "پاگل ہو خنساء تم؟ یہ سب چیزیں تمہاری ہیں۔"

کئی ماہ گزر گئے۔ خنساء عابس سے بے حد مانوس ہو گئی تھی۔ ہر وقت اس کے ساتھ چپکی رہتی تھی۔ عابس بھی اس کے وجود کا عادی ہو گیا تھا۔ خنساء نے ہنسنا بھی سیکھ لیا تھا اب تو وہ عابس کے ساتھ شرارتیں بھی کرتی تھی۔

عابس کے ایگزام قریب تھے وہ دن رات پڑھنے میں مصروف تھا۔ خنساء بار بار اسے ڈسٹرب کر رہی تھی۔ عابس چلا اٹھتا۔ "خنساء میں تمہارا اس کمرے میں آنا بند کر دوں گا۔" خنساء ہنس پڑتی۔ "یہ آپ کر ہی نہیں سکتے۔"

خنساء رات کو بارہ بجے کے قریب اس کے کمرے میں آئی تو عابس بدستور پڑھنے میں مصروف تھا۔ خنساء خاموشی سے بیٹھ کر اسے دیکھ رہی تھی اسے عابس کو دیکھنا بہت اچھا لگتا تھا۔ ان چند مہینوں میں اسے عابس سے بے پناہ محبت ہو گئی تھی۔ وہ دنیا میں پہلا شخص تھا جس نے اس کا اتنا خیال رکھا۔ اس کے ماں باپ نے اس کی جن خواہشات کو سالوں میں پورا نہ کیا تھا اس نے ان چند مہینوں میں پوری کرنے کی کوشش کی تھی اسے چھینک بھی آ جاتی تو ساری رات اس کے سرہانے بیٹھا رہتا تھا تو اس صورت میں خنساء کا عابس سے اس قدر محبت کرنا حیران کن نہ تھا۔

"خنساء سو جاؤ جا کر بہت رات ہو گئی ہے۔"

عابس نے پڑھتے پڑھتے اسے ٹوکا۔ خنساء اٹھی اور عابس کے ماتھے پر پیار کرتی ہوئی بولی۔

"عابس آئی لو یو مجھے آپ بہت اچھے لگتے ہیں۔"

ساری دنیا سے زیادہ۔"

عابس مسکرا دیا۔ "اینڈ مائی ڈیئر آئی لو یو ٹو۔ اب بھاگو مجھے پڑھنے دو اور جا کر سو جاؤ۔" وہ بالکل نارمل تھا۔

"میں یہاں سو جاؤں؟" خنساء نے پوچھا اور عابس کے بستر میں گھس گئی۔

"خنساء اپنے کمرے میں جاؤ۔" عابس نے کہا مگر وہ سنی ان سنی کر کے سو گئی۔ صبح اٹھی تو عابس نیچے سو رہا تھا۔ خنساء نے عابس کو ناشتے کے لیے بھی نہیں اٹھایا اسے سونے دیا تاکہ اس کی نیند پوری ہو جائے۔

ایگزام ختم ہوئے تو عابس سے زیادہ خنساء نے سکون کا سانس لیا اور عابس جب سے آخری پیپر دے کر آیا تھا تب سے سویا پڑا تھا۔ خنساء کئی چکر لگا چکی تھی مگر وہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

خنساء نے شام کو پھر کمرے میں جھانکا تو ابھی تک سو رہا تھا۔

"عابس۔ بس کریں سونا۔" وہ جھنجلا گئی۔ اتنے میں اماں نے اطلاع دی کہ کوئی عالیہ عابس سے ملنے آئی ہے تو عابس منٹوں میں بستر سے نیچے اتر آیا۔ کتنے عرصے بعد عالیہ آئی تھی۔ عابس نے شاور لیا اور اپنا بہترین سوٹ پہن کر تیار ہونے لگا۔

"عابس آپ نے کہا تھا کہ جب آپ آخری پیپر دے کر آئیں گے تو اس خوشی میں آپ مجھے آئس کریم کھلائیں گے ہم کھانا بھی باہر کھائیں گے۔" خنساء نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

"نہیں خنساء آج نہیں۔ آج میری بہت اچھی دوست آئی ہے۔" اور مزید توجہ دیئے بغیر اس سے ملنے چلا گیا۔ خنساء بہت اداس ہو گئی۔

عابس عالیہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ عالیہ باہر اپنے ماموں کے پاس گئی ہوئی تھی اس نے کہا تھا کہ جس دن وہ ایگزام دے کر فارغ ہو گا اسی دن وہ واپس آئے گی تاکہ یہاں اس کی موجودگی کی وجہ سے وہ ڈسٹرب نہ ہو اور آج ایگزام ختم ہوتے ہی وہ آ گئی تھی۔ عالیہ کو دیکھتے ہی عابس خنساء کو بالکل بھلا بیٹھا تھا۔

کافی دیر باتیں کرنے کے بعد وہ لوگ باہر چلے گئے۔ ڈنر کیا اور عالیہ کے ساتھ اس نے پکچر بھی دیکھی۔ اب تو اس کا روزانہ کا معمول بن گیا کہ وہ گھر میں ہوتا تو عالیہ سے فون پر باتیں کرتا رہتا۔ شام کو اس کے ساتھ باہر چلا جاتا۔ خنساء بات کرتی تو مختصر جواب دے کر دوسری طرف متوجہ ہو جاتا۔

عابس نے خنساء پر اتنی توجہ دی تھی کہ وہ اس کی محبت اور توجہ کی عادی ہو گئی تھی اب اچانک وہ عالیہ کی طرف متوجہ ہوا تو وہ بوکھلا گئی تھی پرانے خول میں سمٹتی جا رہی تھی۔ وہ مایوسی سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ عابس نے اس کے ساتھ کھانا کھانا بھی بند کر دیا تھا نہ ہی وہ اسے کہیں لے کر جاتا تھا اور نہ ہی زیادہ بات کرتا تھا۔ عابس تو کہتا تھا کہ اس کے علاوہ کوئی اور اس کا دوست نہیں ہے پھر یہ کون ہے کہ عابس کو کوئی نظر ہی نہیں آتا۔

خنساء اپنے کمرے میں آئی اور کمرہ بند کر لیا وہی پرانا عدم تحفظ کا خوف عود آیا تھا اسے ہر چیز سے ڈر لگ رہا تھا آج کتنے عرصے بعد وہ رو رہی تھی۔ میں عابس سے ہرگز بات نہیں کروں گی وہ سخت خفا ہو گئی۔ رات گئے عابس واپس آیا تو اماں پریشانی سے باہر ٹہل رہی تھیں۔

"کیا ہوا اماں؟" وہ ٹھہر گیا خنساء اس کے ذہن سے بالکل نکل گئی تھی۔

"عابس میاں۔ خنساء بیٹا دروازہ نہیں کھول رہی اور نہ ہی کسی بات کا جواب دے رہی ہے۔"

"کیا مطلب؟ کیوں دروازہ نہیں کھول رہی۔" عابس دوڑا۔ زور زور سے دروازے پر دستک دی۔ مگر اندر مکمل خاموشی تھی۔

"خنساء پلیز کچھ تو بولو' دروازہ کھولو' جواب تو دو۔" عابس بے بسی کے مارے پاگل ہو رہا تھا مگر پھر بھی خاموشی رہی تو عابس نے لان کی طرف سے سیڑھی رکھ کر کھڑکی سے جھانکا تو وہ بالکل ساکن پڑی تھی۔ "او میرے خدایا اسے کیا ہو گیا کل تک تو بالکل نارمل تھی۔" عابس نے کھڑکی چیک کی تو وہ بند تھی۔

"خنساء۔ خنساء۔" اسے زور سے پکارا۔ کھڑکی کو بجایا مگر اس کے ساکن وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ عابس نے زوردار مکے سے شیشہ توڑ دیا اور ایک ہاتھ اندر داخل کر کے چٹخنی کھول دی اور اندر چھلانگ لگائی۔ جلدی سے خنساء کو سیدھا کیا تو وہ بے تحاشا بخار میں تپ رہی تھی۔

"خنساء گڑیا۔ میری جان کیا ہوا ہے تمہیں۔" مگر کوئی حرکت نہ ہوئی۔ دروازہ کھول کر اماں کو ڈاکٹر کے لیے فون کرنے کو کہا اور خود اس کے ماتھے پر پٹیاں رکھنے لگا بار بار اس کی نبض چیک کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر آیا تو بتایا کہ نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے بچا ہے۔ یہ شاکڈ ہیں کل تک ہوش آ جائے گا۔ ان کا خاص خیال رکھیں۔ پھر اس کے لیے کچھ دوائیاں لکھیں اور انجکشن لگایا۔ ڈاکٹر چلا گیا تو عابس سخت پریشان تھا کہ آخر کیا بات ہوئی جس نے اس کی یہ حالت کر دی کہیں اس کے والدین کی طرف سے۔

"اماں۔ آپ نے اسے کچھ کہا۔" لہجے میں بے پناہ سختی تھی۔

"نہیں عابس میاں میں تو اس کا بہت خیال رکھتی ہوں۔"

"کسی کا فون تو نہیں آیا اس کے لیے؟" کچھ سوچ کر پوچھا۔ اماں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر آخر کیا ہوا ایسا؟" عابس چلایا پھر خنساء کی پٹی سے لگ کر بیٹھ گیا۔ دوسرے دن عالیہ کا کئی مرتبہ فون آیا مگر اس نے منع کر دیا۔ عالیہ خود گھر آ گئی۔

"تم مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہے؟" عالیہ نے ناراضگی سے کہا۔ عابس بہت پریشان لہجے میں تھا۔

"کچھ بھی نہیں عالیہ میں کچھ مصروف ہوں میں جیسے ہی فارغ ہوا میں خود تم سے ملنے آؤں گا۔"

"اوکے۔" عالیہ ناراض ہو کر چلی گئی۔ عابس اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا کہ اماں نے اطلاع دی خنساء کو ہوش آ گیا تھا۔ عابس بے اختیار اس کے کمرے کی طرف دوڑا۔

خنساء نے اسے دیکھتے ہی منہ دوسری طرف کر لیا۔ عابس اس کے رویے پر حیران رہ گیا۔ پھر مسکرا دیا۔ "اچھا تو ناراضگی مجھ سے ہے۔ مگر محترمہ سبب تو بتا دیجیے۔"

خنساء چپ رہی۔

"خنساء۔" عابس نے اس کا رخ اپنی طرف کیا تو خنساء نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ارے اتنی ناراضگی۔" عابس ہنسا۔ مگر خنساء پھر بھی خاموش رہی۔ عابس سارا دن اس سے پوچھتا رہا مگر خنساء نے اس سے بات نہ کی اور نہ ہی دوائی لی۔

عابس عالیہ کا فون سننے کے لیے باہر گیا۔ واپس آیا تو وہ اپنا بیگ تیار کر رہی تھی۔ اماں حیران پریشان کھڑی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے خنساء؟" عابس نے بیگ چھین کر نیچے رکھا۔ تو خنساء نے رونا شروع کر دیا۔

"میں جانتی ہوں آپ سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں کوئی بھی میری موجودگی کو برداشت نہیں کرتا۔ سب مجھے گھر سے نکال دیتے ہیں۔ پاپا مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتے تھے تو وہ گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ ماما میری صورت دیکھنا پسند نہیں کرتی تھی انہوں نے مجھے تابندہ آنٹی کے حوالے کر دیا۔ تابندہ آنٹی نے مجھے آپ کے حوالے کر دیا۔ اب آپ مجھ سے بات کرنا پسند نہیں کرتے۔ اس سے پہلے کہ آپ ہمیں کسی اور کے حوالے کریں یا گھر سے نکال دیں۔"

"خنساء! تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہو۔ تم میری دوست ہو تمہیں مکمل حق ہے اس گھر میں رہنے کا۔" عابس بہت پریشان تھا کہ وہ اتنی خفا کیوں ہے۔

"نہیں' آپ نے کہا تھا کہ آپ صرف میرے دوست ہیں آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ آپ کی دوست وہ تو ہے۔ پکی والی وہ آئی تو آپ نے میری طرف دیکھا بھی نہیں باہر بھی اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ آئس کریم بھی اس کو کھلاتے ہیں۔" خنساء روئے جا رہی تھی۔

"میں آپ سے نہیں بولوں گی۔ میں آپ کی دوست نہیں ہوں۔" خنساء کے لہجے میں بے پناہ

معصومیت تھی۔ وہ بہت خفا تھی کہ اس کا ایک ہی دوست تھا وہ بھی اب کسی اور کا ہو گیا ہے۔

عابس ہنس پڑا۔ "پاگل وہ میری دوست تھوڑی تھی۔"

"پھر کیا تھی؟" خنساء نے پوچھا۔

عابس چپ ہو گیا۔ "پتہ نہیں۔" آہستہ سے بولا "لیکن اگر میں کسی سے مل لیتا ہوں تو اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے۔" عابس نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ خنساء خفگی سے اسے دیکھتی رہی۔

"اچھا چلو صلح کرلو۔" عابس نے ہاتھ بڑھایا مگر خنساء نے کوئی توجہ نہ دی۔ اماں خاموشی سے ان کی لڑائی دیکھ رہی تھیں۔ اچانک فون کی بیل ہوئی تو وہ باہر چلی گئیں۔

عابس نے دو تین مرتبہ صلح کے لئے کہا مگر خنساء خاموش رہی تو عابس بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔

"دیکھو خنساء میں بڑا ہوں مجھے کام کے سلسلے میں بہت سے لوگوں سے ملنا پڑتا ہے۔ اگر تمہیں لوگوں سے میرا ملنا برا لگتا رہا اور تم یونہی بیزار ہوتی رہیں تو بہت مشکل ہو جائے گی تم میری بات سمجھ رہی ہو نا۔"

"مگر آپ تو میرے دوست ہیں لوگوں سے ملنا اور ہوتا ہے۔ دوست ہونا اور ہوتا ہے آپ کی وہ دوست آئی تو آپ مجھے بھول گئے نہیں اب ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ ہم آپ پر بوجھ بن گئے ہیں نا اتنے عرصے سے آپ کے گھر رہ رہے ہیں۔ آپ کا اتنا خرچا ہوا ہوگا ہم ہم آپ کے سارے پیسے ادا کردیں گے۔" خنساء کا لہجہ ابھی تک رو رہا تھا۔ عابس تڑپ کر اٹھا۔

"کیا بکواس ہے خنساء میں صرف تمہارا دوست ہوں۔ صرف تمہارا وہ میری کوئی دوست نہیں ہے ویسے ہی منہ سے نکل گیا تھا تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ یاد رکھنا اگر تم نے میری غیر موجودگی میں کہیں گئیں تو میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔" خنساء نے اور زیادہ رونا شروع کردیا۔

عابس کو اپنے لہجے کی سختی کا احساس تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ ٹینشن میں ہے اگر سختی سے نہ روکا تو اس کی غیر موجودگی میں کہیں چلی جائے گی۔

"اچھا تم پر جو خرچا ہوا ہے تم وہ کس طرح ادا کرو گی؟" عابس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"اپنا بھالو بیچ کر۔" روتے ہوئے جواب آیا۔

عابس کا بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔

"چلو ایسا کرو کہ وہ بھالو تم مجھے بیچ دو۔ میرا سارا قرض ادا ہو جائے گا۔"

"اچھا۔" خنساء جلدی سے اٹھی اور اپنا عزیز ترین بھالو بے پناہ دکھ کے ساتھ اس کے ہاتھوں میں دیا۔

"یہ مجھے بہت عزیز ہے۔ زندگی میں ہمیشہ اس نے مجھے حوصلہ دیا ہے۔"

عابس اسے دیکھ رہا تھا۔ جس کے چہرے پر بھالو کے لئے محبت بکھری ہوئی تھی۔ "پھر تمہیں اس کی جدائی پر افسوس ہوگا۔" عابس نے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ میں آپ کو دے رہی ہوں اور آپ مجھے بھالو سے زیادہ عزیز ہیں۔" سادگی سے جواب دیا۔

"شکریہ۔" عابس ہنس پڑا "کہ آپ نے ہمیں اس بھالو سے زیادہ عزیز سمجھا۔ چلو بھئی میرا قرض بھی ادا ہو گیا اب تو ناراضگی ختم۔" عابس نے ہاتھ بڑھایا تو خنساء نے دوستی کا ہاتھ ملایا۔

"خنساء۔ تم پڑھتی نہیں ہو؟" نیا سوال کیا۔

"گھر میں ٹیچر آتی تھی پڑھانے کے لئے۔ پر یہاں کوئی پڑھاتا ہی نہیں۔" خنساء نے آرام سے جواب دیا۔

"او مجھے خیال ہی نہیں رہا اور میں نے تمہارا اتنا وقت ضائع کردیا۔ چلو کوئی بات نہیں میں تمہیں خود پڑھاؤں گا اور اگلے سال تم کالج جاؤ گی۔"

"سچ۔" خنساء خوش ہو گئی۔ "مجھے کالج جانے کا بہت شوق ہے مگر میں میتھ میں کچھ کمزور ہوں۔"

"کوئی بات نہیں، میں خود تمہیں پڑھاؤں گا۔" عابس نے تسلی دی تو وہ مطمئن ہو گئی۔

عابس نے آہستہ آہستہ عالیہ سے ملنا کم کردیا۔ وہ خنساء کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ عالیہ اور

اس کے درمیان فاصلے بڑھنے لگے مگر عابس نے کوئی پروا نہ کی۔

عابس نے خنساء کو ٹیچر رکھوانے کے لئے علاوہ خود بھی پڑھانا شروع کردیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ تو بہت ذہین بچی ہے جو کچھ وہ پڑھاتا تھا تو تھوڑی دیر میں سب کچھ غائب جب کوئی پانچویں مرتبہ میتھس کا سوال سمجھایا اور پھر بھی اس نے غلط لکھا تو عابس چیخ اٹھا۔

"تم نہایت نکمی لڑکی ہو۔" خنساء اس کی تیز آواز سے ڈر گئی۔ اتنے عرصے بعد کوئی تیز آواز میں اس سے بولا تھا۔ وہ کانپ گئی۔ بے اختیار آنکھوں میں آنسو آگئے۔ مگر عابس نے کوئی نوٹس نہ لیا اور غصے سے بولا۔ "جب تک تم یہ سوال حل نہ کرلو اس وقت تک سونے کے لئے نہیں جاؤ گی۔ سمجھیں۔"

عابس زور سے چلایا اور گاڑی نکال کر خود باہر چلا گیا۔ ایک بجے کے قریب وہ کلب سے آیا تو اسٹڈی روم کی لائٹ جلتی دیکھ کر ادھر آگیا۔ وہاں خنساء کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ ٹیبل پر جھکی مسلسل کچھ لکھ رہی تھی۔

"خنساء۔ تم ابھی تک سوئی نہیں؟" وہ اپنی بات بھول چکا تھا۔ خنساء نے اس کی آواز سن کر سر اٹھایا۔ بڑی بڑی آنکھوں میں نیند بھری تھی۔ عابس کو دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی۔

"آپ نے ہی تو کہا تھا کہ جب تک میں یہ سوال حل نہ کرلوں۔ اس وقت تک سو نہیں سکتی۔"

عابس سناٹے میں آگیا۔ "اگر میں نہ آتا تو تم ساری رات جاگتی رہتی۔"

"ظاہر ہے، میں سوال حل کئے بغیر کیسے سو سکتی تھی۔" لہجے میں بے پناہ سادگی تھی۔

"ہوں۔ تو حل ہو گیا سوال؟"

"نہیں۔" خنساء نے بے چارگی سے جواب دیا۔

عابس بے اختیار ہنس پڑا۔

"اچھا۔ چلو چھوڑو اس کو کل نئے عزم سے حل کریں گے۔ اب جاؤ سو جاؤ۔"

☆ —— ✦ —— ☆

تابندہ ڈیڑھ سال کے بعد پاکستان واپس آرہی تھی۔ خنساء سے تو اکثر اس کی بات فون پر ہو جاتی تھی مگر عابس نے اس سے کبھی بات نہیں کی تھی۔ شاید اس طرح وہ اپنی ناراضگی ظاہر کر رہا تھا۔

ائرپورٹ پر خنساء اور عابس نے اس کا استقبال کیا تو وہ عابس کے ناراض چہرے کو دیکھ کر مسکرا دیں۔

خنساء تو تابندہ کی دیوانی ہو گئی۔ ان کے سارے کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ تابندہ البم میں وہاں کی تصویریں دیکھ رہی تھی کہ عابس آیا۔ تابندہ سمجھ گئی کہ وہ کیا بات کرے گا۔

عابس نے بغیر کسی تمہید کے بات شروع کردی۔

"دیکھئے امی اب وہ نارمل ہو چکی ہے اور آپ بھی واپس آگئی ہیں اب اسے کسی قسم کی کوئی پرابلم نہیں ہے ویسے بھی میرا رزلٹ آچکا ہے میری پوسٹنگ ایبٹ آباد ہو گئی ہے۔ اس کے لئے سارے حالات سازگار ہو گئے ہیں جو کچھ ہوا تھا اب اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے یہ بندھن توڑ دینا چاہئے۔" عابس بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں بات کر رہا تھا۔

تابندہ نہایت سکون سے بات سن رہی تھی۔

"خنساء میری بہو ہے اور میں اس کی یہ حیثیت قبول کر چکی ہوں۔ تمہیں جاب پر جانا ہے تو جاؤ مگر تم اسے طلاق نہیں دے سکتے۔"

"دیکھئے امی یہ زیادتی ہے۔" عابس چلایا۔

"کس کے ساتھ؟" امی کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"میرے ساتھ بھی اور اس کے ساتھ بھی میری اور اس کی عمر میں بہت فرق ہے جب وہ بڑی ہوگی تو یقیناً اپنے ہم عمر یا اپنی پسند سے شادی کرنا چاہے گی تو اس وقت یہ زیادتی ہوگی کہ مجھے اس پر مسلط کردیا جائے کہ اپنی عمر کے دوگنا بڑے شخص کو قبول کرکے وہ ہمارے احسانوں کا بدلہ اتارے۔" عابس چیخ رہا تھا۔

"عابس جو کچھ میں دیکھ رہی ہوں وہ تم نہیں دیکھ سکتے۔" امی نے غیر واضح بات کی۔

"بہر حال میں اس وقت واپس نہیں آؤں گا جب تک آپ اس کی مرضی سے اس کی شادی نہیں کر دیتیں ہیں۔"

عابس نے اپنا فیصلہ سنایا اور کمرے سے نکل گیا۔

تابندہ گہری سوچ میں پڑ گئی۔ عابس کا مستقل سوچا رہتا تھا مگر خنساء کے ساتھ اس کا رویہ بالکل ٹھیک تھا اور یہی بات تابندہ کو کچھ مطمئن کر رہی تھی۔ اگرچہ کچھ خدشات بھی تھے مگر وہ مستقبل کے خدشات کو مستقبل کے لئے ہی رکھنا چاہتی تھی۔ اور خنساء تو جب سے آئی تھی مڑ کر اس نے عابس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ ہر وقت آنٹی کے کمرے میں گھسی رہتی تھی۔

کبھی ان کے کپڑے استری کر رہی ہوتی تھی کبھی کھانا پکانے کی کوشش کرتی اور کبھی ان کے بالوں میں تیل ڈالتی تھی۔

عابس نے کچھ دیر تو اس کی مصروفیت برداشت کی۔ پھر ایک دن اسے لان میں پکڑ لیا۔ "تم سخت احسان فراموش لڑکی ہو۔"

"کیوں میں نے کیا کیا ہے؟" وہ خفا ہوئی۔

"چاکلیٹ میں تمہیں لا کر دیتا ہوں۔ پڑھاتا میں ہوں تمہیں باہر میں لے کر جاتا ہوں اور تم ہو کہ خدمتیں امی کی کر رہی ہو اور امی کے آتے ہی تم نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لی ہیں اس لئے آج کل تمہاری آنکھیں طوطے کی طرح لگ رہی ہیں۔"

"اللہ نہ کرے میری آنکھیں طوطے کی طرح ہوں۔" خنساء دہل گئی اور اس کی گاڑی کے شیشے میں جھانک کر اپنی آنکھیں دیکھیں۔ "اچھی خاصی تو خوبصورت ہیں۔" دل کو تسلی ہوئی۔ "اچھا عابس مجھے امی کے لئے سوپ تیار کرنا ہے۔"

عابس نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور گاڑی میں بٹھایا۔ "امی کو سوپ کوئی خاص پسند نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میری پوسٹنگ ایبٹ آباد ہو گئی ہے اور چند دنوں کے بعد میں وہاں چلا جاؤں گا۔ آج اپنی پوسٹنگ کی خوشی میں، میں تمہیں ڈنر دے رہا ہوں۔"

"کیا۔ آپ چلے جائیں گے؟" خنساء کا رنگ زرد ہو گیا۔ "تو یہ کوئی خوشی کی بات ہے۔" بے اختیار اس کے کندھے سے لگ کر رونا شروع کر دیا۔ "میں آپ کے بغیر کیا کروں گی۔ میں تنہا کیسے رہوں گی مجھے کہانیاں کون سنائے گا مجھے تنہا کمرے میں ڈر لگتا ہے۔ میرے پاس کون سوئے گا میرے ساتھ باتیں کون کرے گا؟" وہ سخت پریشان تھی۔

"خنساء! کیا کر رہی ہو۔ کیوں اتنا رو رہی ہو۔ میں ہر ہفتے تمہارے پاس آیا کروں گا اور اب تم بڑی ہو رہی ہو۔ اور سنجیدگی سے اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دو۔" عابس نے اسے ڈانٹا تو خنساء خاموش ہو کر خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"مجھے کچھ نہیں پتا، بس آپ مت جائیں۔" خنساء نے ضد کی۔

"نہیں گڑیا۔ جانا تو مجھے ہو گا اور پھر یہ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں روز خط لکھوں گا ملنے کے لئے آؤں گا۔"

"وعدہ۔" خنساء نے ہاتھ آگے کیا۔

"پکا وعدہ۔" عابس نے اس کا ہاتھ تھاما۔

تابندہ نے انابی کو بلایا اور رازدارانہ انداز میں اس سے پوچھنے لگی۔

"کیا عابس نے خنساء کو اس نکاح کے بارے میں بتایا ہے؟"

"نہیں تابندہ بی بی، میں تو ان دونوں کے مستقبل کے بارے میں سخت مایوس ہوں۔ یہ بیل چڑھتی نظر نہیں آتی مجھے۔ عابس میاں تو اسے بالکل بچی خیال کرتے ہیں اور بچوں کی طرح اسے بہلاتے ہیں۔ حالانکہ اب وہ سولہ سال کی ہونے والی ہے۔ قد کاٹھ بھی نکال رہی ہے۔ لیکن وہ لگتا ہے کہ اس رشتے کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں اور خنساء کو کیا خبر کہ عابس اس کے کیا لگتے ہیں۔" انابی نے ساری صورت حال ان کو بتائی۔

"اچھا خیر، کل عابس کے تمام بہن بھائی آ رہے ہیں۔ عابس جا رہا ہے نا۔ جانے پھر کب ملنا ہو میں نے ان کو ساری تفصیل بتا دی ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ خنساء اس رشتے سے بے خبر ہے۔ اگلے ہفتے تک عابس چلا جائے گا۔ جانے پھر کب آئے گا مجھ سے تو بہت خفا ہے۔" تابندہ نے ٹھنڈی سانس لی۔

"آپ فکر نہ کریں تابندہ بی بی، وقت خود ہی ان کو سیدھا کر دے گا۔ عابس میاں نے خنساء کے لئے عالیہ سے بھی ملنا کم کر دیا ہے کہ دکھ نہ ہو۔ دیکھئے گا کل یہ لوگ خود اپنے منہ سے اعتراف کریں گے۔" انابی نے عقل مندی کی باتیں کرنا شروع کر دیں۔ تابندہ ہنس پڑی۔

"ہاں بھئی اب تو سب کچھ وقت پر ہی چھوڑا ہوا ہے۔"

"خنساء بیٹا دودھ پی لو۔" انابی کافی اصرار کر رہی تھی۔ مگر وہ مسلسل انکاری تھی۔ ایک تو دودھ پینے سے اس کی جان جاتی تھی اور پھر آج کل وہ اداس بجھی بجھی بہت تھی۔ عابس اس کے کمرے میں آیا تو انابی کی تکرار ابھی تک جاری تھی۔

"خنساء! پیو دودھ۔" عابس نے ڈانٹا۔ "اور ہاں میرے پیچھے سستی کی تو میں ملنے کے لئے نہیں آیا کروں گا اور ہاں دل لگا کر پڑھنا۔"

"عابس! آپ مت جائیے میں آپ کو بالکل تنگ نہیں کروں گی اور خوب دل لگا کر پڑھوں گی بھی۔ آپ مت جائیے۔"

"نہیں خنساء۔ ضد کی بالکل نہیں ہو رہی۔" عابس نے بے چارگی سے کہا۔

"اچھا تو آپ پھر میرے ساتھ ایک وعدہ کریں۔"

"ہاں بولو۔" عابس صحیح ہو کر بیٹھا۔

"آپ کسی لڑکی سے دوستی نہیں کریں گے۔" وہ معصومیت سے بولی۔ ذہن میں عالیہ تھی جس کی وجہ سے عابس نے اسے توجہ دینا بند کر دیا تھا۔

"ہائیں۔" عابس بے اختیار ہنسا۔ "تم جیلس ہو رہی ہو۔"

"پتہ نہیں، لیکن مجھے اچھا نہیں لگتا۔ آپ صرف میرے دوست ہیں۔" خنساء نے اچھل کر کندھے اچکائے تو عابس مسکرا دیا۔ "تو کے کوئی اور حکم؟"

"نہیں اتنا ہی کافی ہے۔" خنساء ہنس پڑی۔

☆ ——— ✿ ——— ☆

دن پر لگا کر اڑ گئے۔ خنساء ان لوگوں سے بے حد مانوس ہو گئی تھی۔

عابس کے جانے کا دن آ گیا تو خنساء کے آنسو ہی نہیں رک رہے تھے۔ عابس بار بار جلد آنے کا وعدہ کر رہا تھا۔

مگر تابندہ جانتی تھی کہ اب وہ واپس لوٹ کر نہیں آئے گا مگر جو کچھ وہ چاہتا تھا وہ بھی ممکن نہیں تھا۔

پھر وہ چلا گیا۔

خنساء روز عابس کو خط لکھتی تھی۔ اسے تو یوں لگتا تھا کہ عابس چلا گیا تھا تو ساری خوشیاں بھی اسی کے ساتھ چلی گئیں گھر میں وہ تھی اور تابندہ وہ ہر ہفتے انتظار کرتی تھی مگر عابس نہ آیا۔ تابندہ خط لکھتی اور آنے کا کہتی تو اس کی ایک ہی رٹ ہوتی تھی کہ وہ ان کے فیصلے کا منتظر ہے۔ جس دن خنساء کے متعلق فیصلہ کر لیں گی وہ لوٹ آئے گا۔

اور خنساء ان دونوں کی اندرونی جنگ سے بے خبر عابس کا انتظار کر رہی تھی۔

خنساء بے حد اداس رہتی تھی۔ تابندہ آنٹی کا کام کر دیا۔ عابس کو خط لکھ دیا بس پھر وہ فارغ ہوتی تھی۔ عابس کی خواہش کی تکمیل کے لئے اس نے رات دن پڑھا اور میٹرک اچھے نمبروں سے پاس کر لیا۔ پھر وہ کالج میں آ گئی۔ کالج سے بھی یونیورسٹی میں آ گئی۔ مگر عابس نہ آیا۔

ایک شہر سے دوسرے شہر، اس کا تبادلہ ہوتا رہا وہ خنساء کے ہر اصرار پر اپنے آنے کا لکھتا تھا مگر کوئی نہ کوئی مجبوری ایسی آن پڑتی تھی کہ وہ آ نہ پاتا۔

یونیورسٹی خنساء کے لئے ایک بالکل نئی جگہ تھی۔ کالج سے بالکل مختلف مگر وہ بہت پر اعتماد تھی۔ ابھی تک اس نے کسی لڑکی سے کوئی دوستی نہیں کی تھی۔

ایک دن وہ کلاس سے فارغ ہونے کے بعد بہت

دھیان سے نوٹس بنا رہی تھی کہ ایک گلاب اس کی ڈائری پر آگرا۔ مڑ کر دیکھا تو فائنل ایئر کا حسن مسکرا رہا تھا۔ خنساء کے تو آگ لگ گئی۔ فوراً" اٹھ کر اس کے پاس گئی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟"

"اسے پھول کہتے ہیں۔" وہ اطمینان سے مسکرایا خنساء نے بھول زمین پر پھینک کر پاؤں اوپر رکھ کر گزر گئی۔ پھر مڑ کر اس کی طرف دیکھا جو سخت طیش سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور اسے کیا کہتے ہیں یہ بھی آپ سمجھتے ہوں گے۔" اور اس دن کے بعد تو روز اس کے گھر بذریعہ ہوس پھول آنے لگے۔ خنساء اس سے سخت تنگ تھی۔

عابس کو گئے چھ سال گزر گئے۔

اس تمام عرصے میں اس نے کبھی بھی یہ نہیں سوچا کہ اسے جو عابس سے اس قدر پیار ہے کہ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود بھی اس میں کمی آنے کی بجائے شدت آتی جارہی تھی تو یہ کیا ہے اسے وہ کیا نام دے گی۔ عابس سے اس کی محبت دیوانگی کی حدود کو چھو رہی تھی۔ مگر اس نے کبھی بھی اپنی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

خنساء دوپہر کو کچھ آرام کے بعد لان میں بیٹھ کر پڑھنے کی کوشش کررہی تھی۔ کافی عرصے کے بعد موسم خوشگوار ہوا تھا۔ اتنی حبس کے بعد ٹھنڈے ہوا کے جھونکے مزاج کو شگفتگی بخش رہے تھے۔ خنساء موسم کی اس تبدیلی کو محسوس کررہی تھی۔ اچانک پورچ میں گاڑی آکر رکی مگر خنساء نے کوئی دھیان نہ دیا کہ ہوگا آنٹی سے کوئی ملنے والا۔

مگر اس گاڑی سے اترنے والا اندر جانے کی بجائے لان کی طرف آیا اور اس کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔ خنساء نے تھوڑی دیر انتظار کیا کہ آنے والا اس کا وقت ضائع کیے بغیر ہی چل جائے مگر پھر مجبور ہو کر سر اٹھایا تو کتاب اس کے ہاتھ سے گر گئی وہ بے اختیار کھڑی ہوگئی اور اس کی طرف بڑھی مگر پھر اس کے قریب جا کر رک گئی اسے یکدم احساس ہوا کہ گزرے وقت میں وہ پرانی خنساء نہیں رہی بلکہ اب وہ بڑی ہوگئی ہے۔ عابس کے کندھوں سے لگ کر ضد کرنے' اس سے کہانیاں سننے والی اور اس کے ہاتھ سے کھانے والے خنساء کہیں پیچھے رہ گئی ہے اب والی خنساء اسی بے اختیاری سے اس سے نہیں مل سکتی تھی۔

عابس بھی اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ گلابی رنگت' کالی گھٹاؤں کی طرح بال جو کہ ہوا کے ساتھ اٹھکیلیاں کررہے تھے۔ تیکھے نقوش اور نازک سراپا کے ساتھ کسی شاعر کی حسین غزل تو لگ رہی تھی مگر وہ خنساء جسے چھوڑ کر گیا تھا ہرگز نہیں تھی۔ اس کے تصور میں خنساء وہیں رکی ہوئی تھی بھالو کو سینے سے لگائے۔ اس کا ہاتھ پکڑے۔ اس کی ذات کے پیچھے چھپنے والی ہر بات میں اس کا سہارا تلاش کرنے والی۔ لوگوں سے ہار کھا کر اس کے پاس شکایت لانے والی۔ خنساء زندہ تھی۔

اس کے اس روپ نے اسے دم بخود کردیا تھا۔ دل کے کسی کونے میں یہ احساس بھی زندہ تھا کہ عابس یہ تمہاری منکوحہ ہے۔

"ہیلو۔" عابس نے ہاتھ بڑھایا تو خنساء پہلے کی طرح فوراً" ہاتھ پکڑنے کی بجائے جھجک گئی تو آہستہ سے اپنا نرم و گداز ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ عابس نے ہلکا سا دبا کر چھوڑ دیا۔

"کیا حال ہے؟" عابس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" خنساء آہستہ سے بولی اتنا ہی جواب دے کر خاموش ہوگئی۔ حالانکہ دل میں بے شمار باتیں مچل رہی تھیں۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اتنے وعدے کرنے کے بعد وہ کیوں نہیں آیا۔ کیا اتنے عرصے میں وہ اسے یاد نہ آئی۔ مگر عجیب سی جھجک تھی جو اسے روک رہی تھی۔ عابس کی نظریں بھی تو یکدم بدل گئی تھیں جس سے وہ الجھ گئی تھی۔

عابس جو اتنے عرصے پرسکون رہا تھا۔ خنساء کے تصور نے اسے کبھی ڈسٹرب نہیں کیا تھا بلکہ اس کے

ساتھ نکاح کا تصور آتے ہی وہ بے حد بے زاری کا شکار ہوجاتا تھا۔ امی کو خط پر خط لکھتا تھا کہ خنساء کی بات کہیں اور طے کردیں اور اسے اجازت دیں کہ وہ اسے طلاق دے دے۔ مگر امی بھی اپنی بات پر اٹکی ہوئی تھیں۔ اب اچانک خنساء کو دیکھ کر وہ چونک گیا تھا کیا واقعی لڑکیاں اتنی جلدی بڑی ہوجاتی ہیں؟ وہ حیران تھا اور اپنے دل کی دھڑکن بھی اسے کسی اور لے پر دھڑکتی محسوس ہوئی۔ اوخدایا اگر میں اسے طلاق دے دیتا تو اب میں اپنے دل کا کیا کرتا مگر دماغ نے روک دیا۔

عابس اس کے قد نکالنے سے کیا ہوتا ہے۔ حقیقت تو وہی ہے جو کل تھی کہ وہ عمر میں تم سے بہت چھوٹی ہے اور یقیناً" اس نے اب تک اپنا ساتھی منتخب بھی کرلیا ہوگا۔ میں اسے فیصلے کی آزادی دوں گا اور اس کی رائے کو تسلیم بھی کروں گا۔ عابس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

عابس وہیں بیٹھ کر سوچے جارہا تھا۔ اپنے دل کی اس اچانک فلابازی نے اسے کچھ رنجیدہ کردیا تھا۔

انابی خنساء کو بلانے کے لئے آئی" تھی کہ شام ہورہی ہے اندر آجاؤ تو خنساء کے قریب بیٹھے عابس کو دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر خواب کا گمان ہوا۔ کتنے سال ہوگئے تھے۔ وہ لوٹ کر نہیں آیا تھا۔

"عابس میاں۔" وہ پاس آئی تو خنساء جو مسلسل عابس کو دیکھے جارہی تھی چونک گئی اور کھڑی ہوگئی۔ عابس انابی کی حیرت پر ہنس پڑا۔ انابی نے شور مچادیا۔ آن کی آن میں سارا گھر وہاں جمع ہوگیا تھا۔

تابندہ کی آنکھوں سے تو آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

"اب کیوں آئے ہو؟" شکوہ زبان پر مچل گیا۔

"پوسٹنگ ہوگئی ہے اس شہر میں۔" آہستہ سے جواب دیا۔

"اچھا ورنہ تم کبھی نہ آتے۔" امی نے ناراضگی سے دیکھا۔

"نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں آنا تو تھا۔ آخر گھر ہے میرا۔" عابس ہنسا۔ پھر امی کے گلے لگ گیا۔

خنساء نے سوچا کہ ضرور ان دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا تھا جس کی وجہ سے عابس اتنے سال نہیں آیا مگر آنٹی نے تو کبھی ذکر نہ کیا۔

"خنساء۔ آؤ اندر چلیں۔" آنٹی نے توازدی تو وہ ان کے پیچھے چل پڑی۔

عابس کے پیچھے چلتے ہوئے اس نے غور سے اسے دیکھا وہ بہت کمزور ہوگیا تھا مگر پہلے سے زیادہ گریس فل۔ وجیہہ تو پہلے ہی تھا مگر ان چھ سالوں میں اس پر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ شاید وقت ان کے لئے ٹھہر گیا ہے۔ وہ مسکراتی آرام سے بیٹھنے کے بعد اس نے خنساء کی طرف دیکھا۔

"گڑیا۔! تم کچھ بڑی نہیں ہوگئی؟" ہنس کر پوچھا۔

"اب میں گڑیا نہیں ہوں' میں بڑی ہوگئی ہوں۔" وہ چڑ گئی۔ عابس کی زبان سے لفظ گڑیا اسے بہت برا لگا۔

"اچھا۔" عابس اس کے چڑنے پر ہنس دیا۔ "ہو تو گڑیا جیسی چاہے جتنی بڑی بھی ہوجاؤ۔" وہ امی کی طرف مڑا۔ "پتہ ہے میں اس کے لئے بہت سے کھلونے اور چاکلیٹ لایا ہوں۔" خنساء نے برا سا منہ بنالیا جبکہ وہ تینوں ہنسنے لگے۔

خنساء خفا ہوگئی۔ "آپ میرا مذاق کیوں اڑا رہے ہیں؟ میں اب کھلونوں سے نہیں کھیلتی۔" وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

عابس تیزی سے اس کے پیچھے آیا۔ "خنساء۔" اس نے پکارا۔ مگر وہ نہ رکی پتہ نہیں دل کی عجیب حالت ہورہی تھی اسے رونا آرہا تھا اسے اپنے اوپر غصہ آرہا تھا کہ وہ عابس سے اتنا جھجک کیوں رہی ہے۔ عابس پتا نہیں اس کے بارے میں کیا سوچے گا۔ عابس نے جب دیکھا کہ وہ رکی نہیں تو تیزی سے آگے بڑھ کر اسی سابقہ انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"لگتا ہے' تم ناراض ہوگئی ہو چلو بھئی صلح کرلو تم جو کچھ کہو گی میں تمہیں لے دوں گا۔"

خنساء کا ہاتھ بھیگ گیا۔ دل اتنی تیزی سے

دھڑکنے لگا کہ اسے لگا عابس اس کی آواز بخوبی سن رہا ہے۔ اس کا لمس بہت انوکھا سا محسوس ہو رہا تھا۔ حالانکہ یہ وہی عابس تھا جو اسے کندھوں سے لگا کر کہانیاں سنایا کرتا تھا بہلایا کرتا تھا۔ آرام سے اس کے ساتھ بیٹھ جاتا تھا مگر یہ لمس بہت عجیب تھا خود عابس بھی جھجک گیا اس کا نازک ملائم ہاتھ اس کے ہاتھ میں پگھل رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا پھر بغیر وجہ کے جھینپتے ہوئے بولا۔ "تم نے بتایا نہیں کہ تمہیں کیا چاہئے؟" شاید وہ اپنی بے ساختہ کیفیت سے نکلنا چاہتا تھا۔ مگر خنساء چپ چاپ اپنے کمرے میں آگئی۔ عابس کو اپنے اوپر شدید غصہ آیا۔ بھلا وہ کیا سوچتی ہوگی کہ اسے کیا ہوگیا ہے۔ میں اتنا کمزور تو کبھی نہ تھا۔ غصہ سے ہاتھ پر مکا مارا اور اسی کی طرف چلا گیا۔

خنساء چپ چاپ بستر کی سائیڈ پر بیٹھی سوچے جا رہی تھی۔

"مجھے کیا ہوگیا ہے۔ ایک ہی پل میں مگر نہیں یہ بات ایک پل کی تو نہیں ہے۔ عابس مجھے ہمیشہ سے اچھا لگتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اتنے سال مجھ سے دور رہا مگر میں نے ہمیشہ اسے سوچا۔ شدید دیوانوں جیسی محبت کی۔ ہاں یہ ہے کہ میں محبت کی اس نوعیت کو نہ سمجھ سکی۔"

جو بات وہ خود نہ جان سکی تھی وہ عابس کے ایک لمس نے سمجھا دی تھی۔

حالانکہ میں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ میں جو عابس کو اتنا چاہتی ہوں کہ اس کے ساتھ بھی کسی کو برداشت نہیں کرسکتی کس تعلق سے؟ میرا اس سے کیا رشتہ ہے؟ بس یہی نا کہ ان لوگوں نے مجھے اپنے گھر پناہ دی ہے۔ مگر میں نے تو عابس کو ہمیشہ سے اپنی ملکیت جانا ہے۔ ہر خط میں اس کو تاکید کرتی تھی کہ وہ کسی سے دوستی نہ کرے۔

پھر وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔ اگر عابس کو پتہ چل گیا تو وہ میرے متعلق کیا سوچے گا کہ اس لڑکی کو ہم نے گھر میں پناہ دی اور یہ گھر پر قبضہ کرنے کا سوچ رہی ہے یہ لوگ مجھے احسان فراموش خیال کریں گے۔ تابندہ آنٹی کیا سوچیں گی کہ اس لڑکی کا دماغ خراب ہوگیا کہ ان کے اتنے شاندار بیٹے پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔

خنساء اداس ہوگئی۔

عابس مجھ سے بہت بڑے ہیں۔ وہ کبھی بھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ میں ان کے متعلق ایسا سوچوں۔

الٹا سیدھا سوچتے سوچتے اسے نیند آگئی۔

ناشتہ کرتے ہوئے وہ بہ غور عابس کی طرف دیکھ رہی تھی مگر وہ تو بالکل نارمل تھا۔ کتنا عرصہ ہوگیا عابس نے شادی بھی نہیں کی۔ شاید وہ کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ خنساء کو عالیہ یاد آگئی عابس کے جانے کے بعد اس کے کتنے فون آتے تھے۔ ہو سکتا ہے وہی ہو مگر کسی مجبوری کی وجہ سے وہ اس سے شادی نہ کرسکا ہو۔

وہ ناشتہ چھوڑ کر اپنے خیالوں میں گم تھی۔

"خنساء! آؤ میں تمہیں یونیورسٹی ڈراپ کرتا جاؤں۔" عابس تیار اس کے سامنے کھڑا تھا۔

خنساء خاموشی کے ساتھ اس کے ساتھ چل پڑی۔ راستے میں عابس اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں پوچھتا رہا مگر وہ بے دھیانی سے جواب دیتی رہی۔

یونیورسٹی آکر وہ اتری تو گیٹ پر کھڑا حسن تیزی سے آیا اور اس کی طرف ایک پھول بڑھایا۔ عابس نے دور سے انہیں دیکھا۔ حسن اسے پھول دے رہا تھا۔ حسن کے چہرے کی چمک اس کا انداز عابس بخوبی سمجھ گیا کہ وہ خنساء سے محبت کرتا ہے تو وقت نے اپنا فیصلہ دے دیا۔ خنساء نے اپنا ساتھی چن لیا۔

عابس کے اندر گہری اداسی اتر آئی۔ حالانکہ وہ ذہنی طور پر ہر چیز کے لئے تیار تھا۔ مگر خنساء کو دیکھ کر جو ہلچل اس کے دل نے مچائی تھی اس سے وہ جان گیا تھا کہ اگرچہ اپنے قول کے مطابق وہ خنساء کی رائے کا احترام کرے گا۔ مگر اپنی دل کی بساط پر یہ بازی ہار جائے گا وہ گزرتے وقت میں اس کے ساتھ اتنا وابستہ ہوگیا تھا کہ اس سے کئے گئے وعدے کے مطابق کسی لڑکی کے قریب بھی نہیں گیا تھا۔ وعدہ تو اس نے کم عمر لڑکی سے کیا تھا مگر نبھاتے نبھاتے وہ اس کے برابر آن کھڑی ہوئی تھی۔

عابس نے افسردگی کے ساتھ سوچا۔ کاش وہ واپس نہ آتا۔ وہیں سے کوئی فیصلہ کر دیتا۔ کم از کم اس دکھ سے تو محفوظ رہتا کہ ابھی تو دل آباد بھی نہ ہوسکا تھا اور اجڑنے کا سامان پیدا ہوگیا تھا۔

☆ ——— ❖ ——— ☆

فری ان سے ملنے کے لئے آئی ہوئی تھی۔ ساتھ کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ ولیمہ میں شرکت کر کے ہی واپس جائے مگر ان دونوں کے محتاط رویئے نے سب کو بڑا مایوس کیا۔ تابندہ نے اسے عابس کے بارے میں بتایا کہ وہ اب کوئی نہ کوئی فیصلہ کر کے ہی دم لے گا۔ انہیں خنساء سے اپنی بیٹی کی مانند محبت تھی وہ اتنا عرصہ ان کے پاس رہی تھی اب اپنے ہاتھوں سے کسی اور کے گھر اس کی رخصتی ان کے لئے بڑی مشکل تھی۔ ان کی اداسی دیکھ کر فری نے ایک ترکیب سوچی اور مناسب موقع کا انتظار کرنے لگی۔

آفس جاتے ہوئے عابس اسے ساتھ لے جاتا تھا اور واپسی پر وہ پوائنٹ سے آجاتی تھی۔

خنساء حسن سے تنگ آچکی تھی۔ کلاس آف ہوتے ہی وہ لائبریری چلی گئی۔ تاکہ اس کی نگاہوں سے بچ سکے۔ خنساء لائبریری میں بیٹھی بے حد بوریت محسوس کر رہی تھی کہ ایک پیاری سی لڑکی اس کے پاس آئی۔

"میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟"

"کیوں نہیں۔" خنساء مسکرائی۔ "لائبریری سب کی ملکیت ہے۔ میرے نام تو الاٹ نہیں کی گئی۔"

وہ ہنس پڑی۔ پھر بے تکلفی سے بولی۔ "آپ تو اتنی پیاری ہیں کہ یہ پورا کیمپس آپ کے نام لکھنے کو جی چاہتا ہے۔"

خنساء ہنس پڑی۔ "ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ خود بھی بہت پیاری ہیں۔" جوابی تعریف کی۔

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ دو پیارے لوگوں کی دوستی ہوجائے۔" وہ شرارت سے ہنسی۔ تو خنساء الجھ گئی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں روز آپ کو کلاس میں اکیلے دیکھتی تھی تو سوچتی تھی کہ آپ کی تنہائی دور کی جائے اور اس طرح مجھے ایک پیاری سی دوست بھی مل جائے گی۔" اتنی لمبی تمہید پر خنساء مسکرا دی۔

"کیوں نہیں مجھے آپ سے دوستی کر کے خوشی ہوگی۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" وہ چہکی۔ "مجھے شازیہ خان کہتے ہیں۔"

"اور میں خنساء عباس ہوں۔"

"چلو تعارف تو ہوگیا۔ اس خوشی میں کینٹین چلتے ہیں۔ یہاں کے سموسے اور چائے بہت مشہور ہے۔"

شازیہ نے آفر کی تو وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔

کینٹین پر حسن صاحب بھی موجود تھے۔ خنساء کے ماتھے پر بے اختیار بل پڑ گئے۔

"کیا ہوا؟" شازیہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں بعض لوگ خوامخواہ چپکنے کی کوشش کرتے ہیں۔" خنساء سخت بے زار ہو چکی تھی۔

"کون؟" شازیہ نے حیرت سے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ "او وہ حسن۔ ارے یہ تو فائنل ایئر کا پرنس کہلاتا ہے۔ لڑکیاں مکھیوں کی طرح اس پر گرتی ہیں اور تم بے زار ہو۔" شازیہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

"مکھیاں ہمیشہ گندگی پر گرتی ہیں۔ اب تم مکھیوں کو پرنس کا نام دے دو گی یا گندگی کو؟" خنساء سخت خفا تھی۔

"او ہو۔ ناراض تو مت ہو میں نے تو ایسے ہی بات کی تھی خیر دفع کرو ہمیں کیا۔ کچھ دن منڈلاتا رہے گا توجہ نہ دی تو خود ہی پیچھے ہٹ جائے گا۔" شازیہ نے بے پروائی سے کہا اور آرڈر دینے لگی۔ خنساء بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

☆ ——— ❖ ——— ☆

"خنساء یہ تم کیا کر رہی ہو۔" عابس اسے اپنے کپڑے استری کرتے دیکھ کر حیران ہوگیا۔

"کچھ نہیں۔ آپ کے کپڑے استری کر رہی ہوں۔" سادگی سے جواب دیا۔ آج کل تو اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ عابس کا ہر کام خود کرے۔ اس کی بات پر

عابس ہنس پڑا۔

"یہ مجھے بھی نظر آرہا ہے مگر تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے۔ نوکر گھر میں موجود ہیں۔ وہ کرسکتے ہیں یہ کام۔" عابس کے لہجے میں تھوڑی سی سختی تھی۔ ویسے بھی وہ دونوں آپس میں کم سے کم بات کرتے تھے۔ آج کتنے دنوں بعد اس نے خنساء سے بات کی تھی۔

"میری مرضی۔" خنساء نے آرام سے جواب دیا۔ وہ تو ویسے بھی عابس کی کسی بات کا برا نہیں مانتی تھی۔

"گوکے۔" عابس نے طویل سانس لیا۔ وہ کئی دنوں سے منتظر تھا کہ خنساء اسی سے یا اس سے اس لڑکے کے بارے میں بات کرے تاکہ وہ جلد از جلد اپنے قول سے آزاد ہوسکے اور اپنے دل کا ماتم کرے۔

کچھ دیر وہ خنساء کو کام کرتے دیکھتا رہا پھر اپنے کمرے کی طرف چلا تو خنساء نے بے اختیار اسے آواز دی۔ عابس ٹھہر گیا۔

"عابس..! آپ نے سب کو کچھ نہ کچھ گفٹ دیئے ہیں مگر مجھے کچھ نہیں دیا۔" انداز روٹھا روٹھا تھا۔

"میں منتظر تھا کہ تم خود مانگو خود مجھ سے کہو۔ چلو کہاں چلنا ہے؟" عابس معنی خیزی سے بولا۔ خنساء کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

"تو میں جو کچھ مانگوں گی آپ دیں گے؟" خنساء نے کہا۔

"ہاں دوں گا۔" عابس سنجیدہ تھا۔ دونوں اپنے اپنے مطلب کی بات کررہے تھے۔

"فری بابی کو ساتھ لے لیں۔" خنساء خوش ہوگئی تھی۔

"نہیں بھئی۔ اس دفعہ ہم ہو آتے ہیں اگلے دفعہ انہیں لے چلیں گے۔" عابس نے نفی میں ہاتھ ہلایا۔

"اوکے چلیے۔" خنساء تیار تھی۔ عابس نے پوچھا۔

"ہاں اب بتاؤ کہاں چلنا ہے؟"

"بازار! اور کہاں کیا شاپنگ اب کہیں اور ہونے لگی ہے۔" خنساء حیران ہوئی۔

"بس بازار تک' سوچ لو میں نے اوپن آفر کی ہے۔" عابس کا خیال تھا کہ خنساء اسے اس لڑکے سے ملانے لے جارہی ہے۔ ادھر خنساء عابس کے انداز پر الجھ رہی تھی۔ پتہ نہیں یہ عابس کیسی باتیں کرنے لگے ہیں۔

اس کے فیورٹ آئس کریم کے پاس عابس نے گاڑی روکی۔

"تو پہلے آئسکریم کھالیتے ہیں۔ میں بہت عرصے بعد اس جگہ پر آیا ہوں۔" عابس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بات کی۔

"میں بھی بہت عرصے بعد یہاں آئی ہوں۔" خنساء مسکرائی۔

"کیا مطلب' کیا میرے بعد تم یہاں نہیں آئیں؟" عابس حیران ہوا۔

"نہیں۔ آپ کے بعد میں کبھی کہیں نہیں گئی۔"

عابس کے ساتھ چلتے ہوئے اسے وہ وقت یاد آیا جب وہ پہلی مرتبہ یہاں آئی تھی وہ جب کبھی بھی ماضی کو یاد کرنے بیٹھتی تھی تو چند دھندلائے چہروں کے علاوہ اسے سب کچھ خواب لگتا تھا۔ عابس نے اس کی اداسی محسوس کرلی۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں' عابس آپ کو میرے ماضی کی وہ خوفزدہ ڈری سہمی لڑکی یاد ہے؟" خنساء نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں' مگر اس وقت وہ تمہیں کیوں یاد آگئی؟ اب تم نئی زندگی شروع کرنے والی ہو۔ اسی کے متعلق سوچو۔" عابس نے کہا۔ تو خنساء اسے ایک نظر دیکھ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔"

"چھوڑو' یہ دیکھو۔" عابس نے ایک خوبصورت ڈبیا اس کے ہاتھ پر رکھی۔

"یہ کیا ہے؟" خنساء نے جلدی سے کھولی۔ بے پناہ خوبصورت ڈائمنڈ کی رنگ چمک رہی تھی۔ خنساء کا

چہرہ اس سے زیادہ چمکنے لگا یہ عابس کی طرف سے پہلا تحفہ تھا۔

"مگر آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ میرے لئے کچھ نہیں لائے۔" خنساء نے شکوہ کیا۔ کیونکہ جب عابس نے سب کو گفٹ دیئے تھے اور اسے پھر کبھی کا کہا تھا تو اسے بہت دکھ ہوا تھا۔

"ہاں میں واقعی وہاں سے تمہارے لئے کچھ نہیں لایا تھا مگر پھر تمہیں دیکھنے' تم سے ملنے کے بعد لی تھی۔" عابس نے تھوڑا ٹھہر کر اپنی بات مکمل کی۔

"آئسکریم کھاؤ گی۔" عابس نے بہت پیار سے پوچھا۔ وہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ اس کے ساتھ ہے۔

"میں بہت ساری کھاؤں گی۔" خنساء نے بچپن کی طرح ہانک لگائی۔

"اگلا جملہ نہیں کہو گی۔" عابس نے شرارت سے کہا۔

"کیا...؟" وہ حیران ہوئی۔

"اور آپ کے ہاتھ سے کھاؤں گی۔" عابس نے جملہ مکمل کیا تو خنساء سرخ پڑ گئی۔ عابس اس کی شکل دیکھ کر ہنس پڑا۔ خنساء کا دل چاہا کہ کہہ دے اب تو یہ دل اور انوکھی خواہشات کرنے لگا ہے۔ تمہیں کیا بتاؤں کہ یہ کیا چاہتا ہے۔

☆ —— ✧ —— ☆

"ایکسیوزمی۔ خنساء مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" حسن اچانک اس کے سامنے آیا۔ شازیہ سے باتیں کرتی خنساء چونک گئی۔ پھر لاپروائی سے بولی "کیجئے۔"

"آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتی ہیں؟" شازیہ نے محسوس کیا کہ حسن تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہے تو وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔ "خنساء تم لوگ بات کرو میں راحیلہ سے نوٹس کا معلوم کرلوں۔"

خنساء اسے روکنا چاہتی تھی مگر وہ تیزی سے راحیلہ کی طرف چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد حسن خنساء کی طرف متوجہ ہوا اور اس کے سامنے گھاس پر بیٹھ گیا۔

"میں جو تم سے کہنا چاہتا ہوں وہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بہت سے لوگوں نے ایک دوسرے سے کہی ہے۔ شاید ان کے جذبوں کی شدت نے انہیں میری طرح مجبور کردیا ہو کہ وہ اپنے محبوب کو بتائے کہ ان کے بغیر زندگی میں کوئی لطف نہیں ہے۔ راتیں ان کے خیالوں' خوابوں میں بسر ہوتی ہیں تو دن ان کو ایک نظر دیکھنے کی آس میں گزر جاتا ہے۔ اس امید میں گزر جاتا ہے کہ آج تو انجان محبوب نظر اٹھا کر قبولیت کا شرف بخشے گا مگر پھر دل ڈوب جاتا ہے جب ہماری بے پناہ محبت' بے پناہ خلوص کسی پر اثر انداز نہ ہورہا ہو۔"

خنساء بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھی رہی۔ حسن نے تھوڑی دیر اس کے ردعمل کا انتظار کیا پھر جیسے اپنے آپ سے ہار گیا ہو۔

"خنساء میں نہیں جانتا کہ تم میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کررہی ہو۔ حالانکہ میں تم سے کوئی فلرٹ نہیں کررہا۔ میں نے بہت خلوص سے تمہیں چاہا ہے اور اپنانا چاہتا ہوں میں کسی ٹیڑھے راستے سے تم تک نہیں آنا چاہتا اور باعزت راستے سے تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"مگر میں۔" خنساء نے تیزی سے کچھ کہنا چاہا تو حسن نے اس کی بات کاٹ دی۔

"نہیں' ابھی فوراً جواب مت دو اس وقت تم غصے میں ہو۔ ہوسکتا ہے کہ میری بات تمہارے لئے اثر نہ رکھتی ہو مگر جب تم ٹھنڈے دل سے سوچو گی تو میرے جذبوں کی قائل ہوجاؤ گی۔ میں ابھی جواب پر اصرار بھی نہیں کررہا میں تو ابھی صرف تمہیں یہ بتارہا ہوں کہ جتنی محبت میں تم سے کرتا ہوں کوئی اور نہیں کرے گا۔" حسن نے گمبھیر لہجے میں اپنی بات مکمل کی اور تیزی سے اٹھ کر چلا گیا۔

"ہونہہ۔" خنساء نے سر کو جھٹکا دیا۔ اس کے جاتے ہی شازیہ آگئی۔

"کیا کہہ رہا تھا مجنوں۔ ویسے بے چارے کی حالت بہت خراب تھی۔" شازیہ ہنسی۔

"تمہارا سر۔" خنساء نے فائل اس کے سر پر ماری۔ "تمہیں کیا ضرورت تھی جانے کی؟"

"بس یار! اس کی بے چارگی پر ترس آگیا۔ وہ تو یونیورسٹی میں بھی لگتا ہے تمہاری وجہ سے آتا ہے جب دیکھو تمہارا نگران ہوتا ہے۔ میں نے سوچا آج اگر اس نے ہمت کر ہی لی ہے تو اپنے دل کی بات کرنے کا اسے پورا موقع ملنا چاہئے۔" شازیہ نے ہنستے ہوئے شرارت سے کہا۔

"بہت بدتمیز ہو تم، میں تو سمجھی تھی کہ تم میری دوست ہو۔" خنساء بھنا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ تو شازیہ بھی بھاگ کر اس کے ساتھ چلنے لگی۔

"بھئی دوست میں صرف تمہاری ہوں۔ میں تو تمہارا بھلا سوچتی ہوں مگر تم ہو کہ اس سے اتنی بے زار ہو حالانکہ کیا کمی ہے اس میں۔" شازیہ سنجیدہ ہوگئی تھی۔ خنساء رک گئی اور شازیہ کے سامنے کھڑی ہو کر بولی۔

"ایک بات تم یاد رکھنا کہ مجھے چاہے حسن ہو یا کوئی اور ہو کسی کی کمی یا زیادتی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے میرا ہر ایک کو یہی جواب ہوتا ہے کہ خنساء ان میں سے کسی کے لئے نہیں ہے۔" پھر آہستہ آہستہ چلنے لگی اس کی آنکھیں گیلی ہو رہی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے خنساء ایسے جواب کب دیئے جاتے ہیں؟" شازیہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں مجھے نہیں پتا۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"جب انسان کسی اور کو اپنا مان چکا ہو۔ جب کسی اور کو چاہنے لگے تو پھر دوسرے، تیسرے کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں نا؟" شازیہ نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" خنساء اداس ہوگئی۔

"خنساء بھاگ پوائنٹ نکل رہا ہے۔" شازیہ اچانک چلائی اور وہ دوڑ لگادی تو خنساء بھی اس کے پیچھے بھاگی۔

☆ ——— ✧ ——— ☆

"امی! میرے خیال میں اب ہم عابس کی شادی کردیتے ہیں۔" فری نے بیٹھے بیٹھے اچانک شوشا چھوڑا۔ خنساء جو ممی کے سر میں تیل لگا رہی تھی چونک گئی۔ اس کے ہاتھوں کی لرزش کو تابندہ نے بخوبی محسوس کیا۔

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ تم اور خنساء مل کر اس کے لئے کوئی اچھی سی لڑکی تلاش کرو۔ پھر ہم دھوم دھام سے اس کی شادی کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" فری خوش ہوگئی۔ "خنساء کتنا مزہ آئے گا۔ ڈھولک بجے گی ہم نئے کپڑے بنائیں گے۔" فری پرجوش تھی۔ خنساء کا حلق خشک ہوگیا اس نے کسی کی بھی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی تو دونوں ماں بیٹی ہنس پڑیں۔

"دیکھا امی! خنساء عابس کو پسند کرنے لگی ہے۔"

"شکر ہے کہ میری ایک طرف کی پریشانی تو دور ہوئی مگر فری مجھے زیادہ پریشانی عابس کی طرف سے ہے وہ کسی بھی طرح اسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔" تابندہ نے پریشانی سے کہا۔

"امی۔! آپ فکر نہ کریں۔ اسے میں سنبھالوں گی۔" فری نے بے پروائی سے کہا۔

خنساء مسلسل روئے جارہی تھی اور اتابی پوچھ پوچھ کر تھک گئی تھی مگر وہ کچھ بھی بولنے پر آمادہ نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں عابس میاں کو بلاتی ہوں۔ وہ خود ہی وجہ معلوم کرلیں گے۔" اتابی کمرے سے باہر جانے لگی تو خنساء زور سے چلائی۔

"کوئی ضرورت نہیں اس کو بلانے کی۔"

"کیا لڑائی ہوگئی ہے۔ اب خنساء تم بڑی ہوگئی ہو اب تو لڑنا بند کرو اس سے۔" اتابی نے نصیحت کی۔

"میرا کیا رشتہ ہے اس کے ساتھ کہ میں لڑتی پھروں۔" وہ ہر ایک سے خفا ہو چکی تھی پھر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بولی۔

"اتابی! میری تو کوئی ماما بھی نہیں کہ میں اپنے دل کی بات ان سے کہہ سکوں اور تو کوئی میری بات سمجھنے کو تیار ہی نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

جس نے اتابی کو تڑپا دیا۔

"میں ہوں نا تمہاری ماں۔ مجھ سے کہو اپنے دل کی بات میں سمجھوں گی تمہاری بات۔" اتابی نے اسے اپنے سینے میں چھپاتے ہوئے کہا۔

"عابس کی شادی ہو رہی ہے۔ اس نے میری زندگی کی ہر خواہش میرے بغیر کہے پوری کی۔ جیسے وہ ازل سے جانتا ہو کہ میں کیا چاہتی ہوں پھر پتہ نہیں کیوں میرا دل اس کی خواہش کر بیٹھا۔ حالانکہ میں جانتی ہوں کہ میرے اور اس کے درمیان بہت فرق ہے۔ عمر کے فرق کے علاوہ میں لاوارث ہوں۔ صاحب جائیداد نہیں ہوں۔ بھلا اتنی ساری لڑکیوں میں اسے کہاں نظر آسکتی ہوں۔ پھر بھی پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا تھا کہ ہمیشہ کی طرح میرے کہے بغیر میری یہ خواہش بھی پوری کردے گا۔ مگر اتابی میری چھوٹی چھوٹی خواہشات پوری کرنے والا میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کو نظر انداز کر رہا ہے اور میں نے تو ہمیشہ یہی سمجھا ہے کہ وہ صرف میرا ہے میں اسے کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔" لگتا تھا کہ وہ رو رو آج ہی ختم ہوجانا چاہتی ہے۔ اتابی بے اختیار مسکرا دی۔

"خنساء بیٹا! کون کہتا ہے کہ وہ تمہاری خواہش کو نظر انداز کر رہا ہے وہ تو ہے ہی تمہارا۔ صرف تم اس سے بے خبر ہو ورنہ تو وہ باخبر ہے وہ صرف تمہارا ہے کیونکہ تمہارا نکاح اس سے ہوچکا ہے۔"

"کیا۔؟" خنساء نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں۔" اتابی نے ہنستے ہوئے سر ہلایا اور اسے تمام تفصیل سے آگاہ کیا اور عابس کے بارے میں بتایا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

"تابندہ بی بی اور فری بی بی ایسی باتیں اس لئے کر رہی ہیں تاکہ تمہارا ردعمل جان سکیں۔"

"اچھا تو میرے ساتھ باقاعدہ گیم کھیلی جارہی ہے اور آپ سب اس میں شریک ہیں۔ اتابی آپ ان کو مت بتایئے گا کہ مجھے پتہ چل گیا ہے۔" خنساء نے اتابی کو تاکید کی۔

اس کا سر بے اختیار خدا کے حضور جھک گیا کہ اس نے اگرچہ زندگی کے میٹھے رشتے اس سے چھین لئے مگر ایک ایسا شخص عطا کیا جس نے ان تمام رشتوں کی تشنگی کم کرنے کی کوشش کی۔ تابندہ آنٹی جیسی عظیم عورت کی پناہ دی۔ خنساء بار بار خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ جسے وہ لاحاصل سمجھ رہی تھی وہ تو اسے ہمیشہ سے حاصل تھا۔

اسے عابس کی ادھوری باتیں یاد آنے لگیں۔ بہت پہلے اس نے کہا تھا۔ یہ گھر تمہارا ہے۔ میں اس کا بچپن برباد نہیں کرنا چاہتا۔ تہمینہ آپی کی کسی بات پر اس نے کہا تھا نہیں یہ بہت چھوٹی ہے اسے کچھ نہ بتایا جائے۔ بڑی ہوگی تو جو بھی فیصلہ کرے گی وہ قبول کیا جائے گا۔

ایک شخص نے محض اسے دربدر ہونے سے بچانے کے لئے اسے قبول کیا اور پھر اسے ایسے نبھایا کہ اس کی مثال ملنا مشکل تھی اور اپنی زندگی کے بہترین سال اس لڑکی کے لئے قربان کردیئے اپنے نفس پر قابو رکھا۔ حالانکہ وہ مختلف لڑکیوں سے دوستی کرنے میں آزاد تھا مگر اس نے ان تین لفظوں کی ایسی لاج رکھی کہ کسی اور کی طرف متوجہ بھی نہ ہوا۔

میری تمام زندگی کے دکھوں کا ازالہ کیا اور کبھی اشارے کنائے میں بھی اس رشتے کو نہیں جتایا کہ میں اس زندگی کو اپنی بے خبری کو انجوائے کرسکوں۔ اپنی تمام محبت توجہ دی میری شخصیت کے ہر بگاڑ کو درست کیا۔ اب جبکہ وہ مجھ پر دعویٰ کرسکتا تھا تو بھی خاموش ہے۔ تاکہ میں اپنی زندگی کا خود فیصلہ کرسکوں مگر اس سارے عمل کے دوران وہ ایک بات بھول گیا کہ اس کے سائے میں رہنے والی لڑکی اب کسی اور کی طرف کیسے دیکھ سکتی ہے۔

خنساء نے بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کرلیں۔

عابس لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا تو فری نے خنساء سے کہا۔

"خنساء کل سے عابس کے لئے لڑکیاں دیکھنا

شروع کرتے ہیں۔"

"نہیں بھئی آج ہی کہیں چلتے ہیں' لڑکی دیکھنے کے لئے' سنا ہے خوب خاطر مدارات ہوتی ہے۔" خنساء اس سے زیادہ پرجوش تھی۔ فری کی شکل دیکھنے والی ہوگئی۔ عباس کی بے اختیار ہنسی نکل گئی۔

"ہاں ہاں فری باجی ایسا کریں تہمینہ آپی کو بھی فون کرو تینوں مل کر تلاش کرنا۔" عباس نے اطمینان سے چینل بدلا۔ فری بغیر کچھ کہے غصے سے اٹھ گئی۔

"انہیں کیا ہوا؟" خنساء نے حیرانی ظاہر کی۔

"کچھ نہیں ہوا۔ تم ادھر آؤ۔"

خنساء اٹھ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ عباس نے ٹی وی بند کیا اور پوری طور پر اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"خنساء ہم دونوں دوست ہیں نا؟"

"ہاں۔"

"کیا ہے کہ دوست دوسرے دوست سے اپنے دل کی بات کہہ سکتا ہے۔ پوچھنے کا مقصد یہ ہے کہ کیا تمہیں کوئی پسند ہے؟" عباس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے کیسے پوچھے۔ تو براہ راست پوچھ لیا۔

"ہاں۔؟" خنساء نے آرام سے جواب دیا۔

عباس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ سیدھا ہو کر آہستہ سے بولا۔ "کون ہے وہ؟"

"ہماری یونیورسٹی کا ایک لڑکا ہے حسن۔ وہ مجھے پسند کرتا ہے۔" خنساء نے آخری جملے پر زور دیا۔ اسے عباس کے چہرے کے تاثرات خوشی دے رہے تھے۔ عباس اس کی مزید کوئی بات سنے بغیر اٹھ گیا۔ اسے کہنا کہ وہ اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیج دے۔" اور باہر نکل گیا۔

"بات تو سنئے۔" خنساء چلائی مگر وہ رکا نہیں۔

"او میرے خدایا۔" خنساء نے سر پکڑ لیا۔ وہ تو محض اسے تنگ کررہی تھی۔ وہ جو کہنا چاہتی تھی وہ تو اس نے سنا ہی نہیں۔

"یہ تو شدید غلط فہمی کا شکار ہوگیا ہے۔" وہ بڑبڑائی اور بے بسی سے دروازے کو دیکھنے لگی۔

☆ ― ✧ ― ☆

کیمپس میں حسن نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی تو اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ شادی شدہ ہے۔

"ناممکن۔" حسن نے بے یقینی سے اسے گھورا۔ "آپ قطعی میریڈ نہیں لگتیں۔"

"تو میں کیا کروں؟" خنساء نے بے پروائی سے کہا اور شازیہ کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

"تم نے کبھی مجھے تو نہیں بتایا کہ تم شادی شدہ ہو۔" شازیہ نے شکوہ کیا۔ تو اس نے شروع سے لے کر آخر تک ساری بات اسے بتائی۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ دنیا میں ایسا بھی ہوسکتا ہے لیکن پھر مجھے خیال آتا ہے کہ والدین اپنی اولاد کو فروخت بھی تو کردیتے ہیں اور بھی ایسے واقعات ہم اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں جو اس سے بھی زیادہ ناقابل یقین ہوتے ہیں مگر ایسا ہوتا رہتا ہے۔" شازیہ نے تاسف سے سر ہلایا۔ "اور خنساء تم خوش ہو وہ تم سے عمر میں بڑا ہے۔ تم پر کوئی دباؤ تو نہیں ہے؟"

"کوئی زیادہ فرق تو نہیں صرف سولہ سترہ سال کا ہے اور یہ کوئی زیادہ فرق نہیں ہے اور شازیہ ان لوگوں کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ میں تو عباس کو ویسے ہی قبول کرلیتی مگر یہاں تو معاملہ میرے دل کا ہے۔" خنساء جذباتی ہورہی تھی۔

"غور کرلینا۔ کہیں ساتھ رہنے کی وجہ سے تمہیں ایسا محسوس نہ ہورہا ہو اور پھر خنساء اس نے تمہیں ایسے وقت محبت توجہ اور وقت دیا جب دنیا میں تم سے کوئی بھی پیار نہیں کرتا تھا۔ اس لئے تم وہیں ٹھہر گئیں۔ تم نے اسے ہی سب کچھ مان لیا۔ ایک دفعہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنا کھلے دل سے تجزیہ کرنا۔ حسن ینگ ہے۔ تمہاری عمر کا ہے تم اپنی زندگی اس کے ساتھ بہتر طریقے سے گزار سکتی ہو۔" شازیہ نے دادی اماں کی طرح سمجھایا۔

شازیہ کی بات سن کر خنساء کا منہ پھول گیا۔

"یہ تم اس کی اتنی فیور کس خوشی میں کررہی ہو اور ہاں عباس حسن سے کہیں زیادہ وجیہہ ہے۔ حسن کی

حیثیت کیا ہے اس کے سامنے اور مجھے عباس سے محض سطحی محبت نہیں ہے۔ میں تو شاید وضاحت بھی نہ کرسکوں کہ اس کی ذات اس کی موجودگی ہر رشتے کی تشنگی مٹاتی ہے۔" خنساء خواب آور لہجے میں بول رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" شازیہ حیران ہوئی۔

"پتہ نہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے مجھے کسی اور کی موجودگی کا کبھی احساس نہیں ہوتا۔ کسی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔"

شازیہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی جو زیر لب مسکرا رہی تھی۔

☆ ― ✧ ― ☆

خنساء اپنے کمرے میں بیٹھی رسالہ پڑھ رہی تھی کہ عباس آیا اس کے چہرے کے تاثرات عجیب سے تھے۔

"ڈرائنگ روم میں کچھ مہمان آئے ہیں۔ کپڑے بدل کر وہاں آجاؤ۔" اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

"یا میرے اللہ' اس کو کیا ہوا؟" اس دن کے بعد سے عباس نے سیدھے منہ اس سے بات تک نہیں کی تھی۔ "مجھے کیا ضرورت ہے کپڑے بدلنے کی۔" خنساء بڑبڑائی اور ایسے ہی اٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ مگر وہاں موجود لوگوں کو دیکھ کر وہ سکتے میں آگئی بھلا وہ عباس احمد کو کیسے بھول سکتی تھی۔

"اپنے باپ کو۔" جو عباس سے ہنس ہنس کر باتیں کررہا تھا۔ اس کے ساتھ حسن اور ایک بنی سنوری خاتون تھی۔ شاید یہ وہی خاتون ہیں جن کی وجہ سے پاپا نے مجھے اور ماما کو چھوڑا تھا۔ اس نے سوچا نہیں صرف مجھے چھوڑا کیونکہ وہ ایک دوسرے کو تو عرصہ ہوا چھوڑ چکے تھے۔ خنساء کا دل گھٹنے لگا۔ کتنے عرصے بعد وہ پاپا کو دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے خنساء کو پہچانا ہی نہیں۔

خنساء خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئی اگر اتالی ہوتی تو شاید ان کی وجہ سے ہی پہچان لیتے مگر وہ اندر مصروف تھیں حسن اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ مگر خنساء کی توجہ اس کی طرف نہیں تھی۔ وہ تو اپنے دل کے شور کو دبانے میں مصروف تھی۔

"تابندہ بہن! حسن ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔ ساری جائیداد کا اکلوتا وارث اگر اسے اپنی فرزندی میں قبول کرلیں تو ہمارے لئے عزت کی بات ہوگی کہ آپ کے گھرانے کے ساتھ ہمارا ناطہ جڑا ہے۔"

تابندہ نے بے اختیار خنساء کا چہرہ دیکھا جو بے تاثر تھا۔ وقت نے اگرچہ عباس احمد کے بالوں کو سفیدی عطا کردی تھی اس کے خدوخال کو تبدیل کردیا مگر تابندہ اب بھی بخوبی اس کو پہچان سکتی تھی۔ اگرچہ عباس اس سے واقف نہ تھا کیونکہ اس کا تعلق صرف عمارہ سے تھا اور شادی کے بعد عمارہ نے خاندان کے کسی فرد سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا اور جب وہ عمارہ سے ملنے گئی تھی تو اس وقت وہ باہر کے ٹور پر گیا ہوا تھا اور دوسری دفعہ تو ان دونوں میں علیحدگی ہوچکی تھی۔

"عباس صاحب! مجھے آپ سے رشتہ جوڑ کر خوشی ہوتی مگر خنساء کا نکاح ہوچکا ہے۔ عباس کے ساتھ۔" تابندہ آنٹی نے مہذب انداز میں معذرت کی۔ عباس نے گھبرا کر خنساء کی طرف دیکھا مگر وہ ساکن' سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اسی وقت فری باجی چائے کے ساتھ اندر آئیں اور چائے سرو کرنے لگی۔

نکاح کا سن کر عباس احمد اور حسن کا رنگ متغیر ہوگیا۔

"دیکھئے۔ شادی اگر بچوں کی مرضی سے ہو تو اچھا ہوتا ہے۔" عباس احمد نے مبہم بات کی تو تابندہ آنٹی اور فری کی تیوری چڑھ گئی۔

"ہم آپ کی بات نہیں سمجھے۔ عباس صاحب۔" تابندہ کا لہجہ تیز ہوگیا۔

"میں مزید کیا کہوں آپ خود سمجھ دار ہیں۔ بہرحال میں دو تین دن تک آپ کو فون کرکے جواب معلوم کرلوں گا۔" عباس صاحب اٹھے تو ان کی وائف اور بیٹا بھی کھڑا ہوگیا۔

"جواب' ہم آپ کو جواب دے چکے ہیں۔" تابندہ نے سختی سے کہا۔

"میں نے کہا نا' میں کچھ دنوں بعد فون کروں گا۔"

عباس احمد نے انہی کے انداز میں جواب دیا اور تینوں چلے گئے۔

"کتنے بدتمیز اور ڈھیٹ لوگ تھے۔" فری باجی کا موڈ سخت خراب تھا۔ "اور عباس تم کیوں خاموش تھے۔ ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے۔" فری باجی نے اب اسے لتاڑا۔

"جن کی بات ہو رہی تھی جب وہ رضامند ہے تو مجھے اور آپ کو بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ ان کو ہاں کہہ دیں۔ جب وہ دوبارہ فون کریں تو۔" عباس کا موڈ ان سب سے زیادہ خراب تھا کوئی جواب سنے بغیر وہ اٹھ کر چلا گیا۔

"کیا مطلب؟" دونوں خنساء کے گرد جمع ہو گئے۔

"کیا وہ تمہیں پسند ہے خنساء؟" فری باجی نے تشویش سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" خنساء نے اپنے آنسو صاف کیے۔ "مجھے اماں نے پہلے ہی عباس کے بارے میں بتا دیا تھا میں بھلا کسی اور کے بارے میں کیسے سوچ سکتی ہوں۔"

اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔

"امی۔ عباس تو پتہ نہیں کیا چاہتا ہے آپ اس کے کہنے پر ہرگز ان کو ہاں نہیں کہیں گی۔"

"پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔ فری! تمہیں پتا ہے کہ عباس احمد کون ہے۔ وہ خنساء کا باپ تھا وہ اس وقت پریشان ہے۔ اسے مزید ڈسٹرب نہ کرو۔"

"اور حسن ممی؟" فری حیران رہ گئی۔

"حسن اس کی دوسری بیوی سے ہے عباس اس کا اصلی باپ نہیں ہے۔"

"اوہ" فری نے برا سا منہ بنایا۔

کمرے میں آ کر خنساء نے کھڑکی سے جھانکا تو عباس لان میں ٹہلے جا رہا تھا۔ خنساء کا دل دکھ سے بھر گیا۔

تھوڑی دیر بعد عباس گاڑی لے کر باہر چلا گیا وہ جس تیز رفتاری سے گیا تھا اس نے خنساء کو پریشان کر دیا تھا کہ کہیں اسے کچھ ہو نہ جائے پتہ نہیں کتنی دیر گزر گئی جب گھڑی نے بارہ کا گھنٹہ بجایا تو وہ چونک گئی وہ عباس کے انتظار میں کھڑکی کے پاس ہی کھڑی تھی۔ عباس کی گاڑی اندر داخل ہوئی تو وہ سکون کا سانس لے کر کھڑکی سے ہٹ گئی۔

تھوڑی دیر بعد عباس دستک دے کر اس کے کمرے میں داخل ہوا اسے دیکھ کر خنساء کھڑی ہو گئی۔ عباس بھی اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ ہے وہ تمہارے علم میں آ چکا ہے۔ خنساء یہ مت سمجھنا کہ اس گھر کے افراد تم پر کوئی دباؤ ڈالیں گے ہرگز نہیں تم اپنی مرضی کی آپ مالک ہو۔ امی اور فری باجی نے صرف اس لئے انکار کیا کہ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہیں تمہیں اپنے سے جدا کرنا انہیں بہت مشکل لگ رہا ہے تم فکر نہ کرو میں ان کو سمجھا لوں گا۔ یہ گھر حسن سے شادی کے بعد تمہارے میکے کی طرح رہے گا تم جب چاہو یہاں آ سکتی ہو۔" عباس کی آنکھیں ضبط کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی باہر نکل گیا۔ خنساء نے بے اختیار اپنا سر پکڑ لیا۔

وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے اسے حسن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے مگر ہر مرتبہ وہ اپنی بات کہہ کر اس کی سنے بغیر چلا جاتا تھا۔

کئی دن گزر گئے عباس سے اس کا سامنا ہی نہیں ہوا وہ مسلسل اس سے کترا رہا تھا۔ پتہ نہیں اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا یا اپنی نہیں دکھانا چاہتا تھا۔

"خنساء! تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔" اماں نے اطلاع دی۔

"مجھ سے؟" خنساء حیران ہوئی۔

"اچھا اسے بٹھایئے میں آ رہی ہوں۔" خنساء اندر داخل ہوئی تو شدید ترین حیرت اس پر حملہ آور ہوئی اس نے سہارے کے لئے نظریں دوڑائیں تو کمرے میں اماں، تابندہ آنٹی اور فری باجی نظر آئیں۔ خنساء تابندہ آنٹی کے پاس بیٹھ گئی اور مضبوطی سے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"خنساء پہچانا، یہ تمہاری ماں ہے۔" تابندہ آنٹی

نے خنساء کو بتایا جو مسلسل اس عورت کو گھور رہی تھی جس نے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اس کو اپنے جسم سے نوچ کر پھینک دیا تھا۔ آج ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی۔ وہیل چیئر پر موجود تھی۔ وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ کبھی یہ لوگ اس کے سامنے آئیں گے کیا کبھی یہ لوگ سزا کے عمل سے گزریں گے۔

اور آج وہ جس حالت میں اس کے سامنے موجود تھی۔ وہ اس بات کی گواہ تھی کہ خدا نے رسی کھینچ لی ہے۔ مکافات عمل شروع ہو گیا۔ مہلت ختم ہو گئی۔ وہ واپس اسی بیٹی کے پاس پہنچ گئی تھی جس سے وہ شدید ترین نفرت کرتی تھی۔

خنساء گہرا سانس لے کر بولی "تابندہ آنٹی میں ان کو کیسے بھول سکتی ہوں میں ان کو ہر حال میں پہچان سکتی ہوں۔ کہیئے "آج میرے پاس کیسے آنا ہوا؟" خنساء اجنبیت سے بولی۔

"خنساء بیٹا، میں تمہاری ماں ہوں مجھ سے اس طرح بات مت کرو۔"

"ہوں، ابھی تو میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے آپ سے بات بھی کرنی چاہئے یا نہیں۔ آپ لہجے کی بات کرتی ہیں۔"

"خنساء میری بچی۔" عمارہ رو پڑی۔ "مجھ سے اس لہجہ میں بات مت کرو۔"

"مت کہیئے گا مجھے اپنی بچی، صرف خنساء ہی آپ کے لئے کافی ہے اور میرا لہجہ اس کی کاٹ اس لہجے سے کم ہو گی جس سے آپ اپنی نفرت کی برچھیاں میرے دل میں اتارا کرتی تھیں۔" خنساء چلا اٹھی۔

"اور آج کیا لینے کے لئے آئی ہیں آپ یہ دیکھنے کے لئے کہ جس دوزخ میں آپ مجھے جھونک گئی تھیں وہاں میرا کیا حشر ہوا ہے۔"

"نہیں خنساء مجھے پتہ تھا، تابندہ تمہارا بہت خیال رکھے گی۔ میں مجبور تھی۔ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتی تھی اس لئے میں تابندہ کے پاس تمہیں چھوڑ گئی تھی کہ کچھ عرصے بعد تمہیں بلا لوں گی مگر عارف نے میرے سارے راستے بند کر دیئے۔"

"نہیں اب میں بچی نہیں ہوں کہ آپ جھوٹ سے مجھے بہلا سکیں آپ کو اس چیز کی کوئی پروا نہیں تھی کہ کوئی مجھے کس طرح رکھتا ہے۔ آپ تو جلد از جلد مجھ سے جان چھڑانا چاہتی تھیں اگر تابندہ آنٹی نہ ہوتیں تو آپ مجھے کسی کے بھی حوالے کر کے جا سکتی تھیں۔ زندگی میرے لئے جنت بنے یا دوزخ آپ کو اس کی پروا کیسے ہو سکتی تھی لیکن آپ کی توقع کے برخلاف یہ جہنم میرے لئے جنت بن گئی وہ سب کچھ جو آپ نے مجھ سے چھینا، تابندہ آنٹی اور عباس کے وجود میں مجھے ملا۔ میرے اردگرد پھول ہی پھول کھلے افسوس آپ کی توقع پوری نہ ہو سکی۔"

"خنساء بیٹی، تم کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہو میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں تمہیں کیا معلوم میرے ساتھ کیا ہوا۔ عارف نے مجھے کہا تھا کہ وہاں پہنچ کر وہ مجھ سے نکاح کرے گا لیکن اس نے مجھ سے نکاح نہیں کیا بلکہ اپنے کاروبار میں مجھے استعمال کرتا تھا، منشیات کی اسمگلنگ میں استعمال کرتا تھا مجھے اذیتیں دیتا تھا۔ پھر اس نے مجھے نشہ کا عادی بھی بنا دیا۔ عارف بہت اذیت پسند تھا۔ پتہ نہیں کون کون سے خطرناک نشے کے انجکشن وہ میرے جسم میں اتارتا رہتا اور میرے تڑپنے کا تماشا دیکھتا۔ میرے جسم میں سے خون کا ایک ایک قطرہ اس شخص نے چوس لیا میں وہاں سے بھاگنا چاہتی تھی مگر میں تو اس شخص کے لئے سونے کی چڑیا تھی جو کما کر لاتی تھی جب میں کسی قابل نہ رہی تو وہ مجھے پاکستان پھینک کر چلا گیا۔ میرے اندر کچھ نہیں بچا۔ زندگی کے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ مجھے معاف کر دو۔ تم میری واحد اولاد ہو۔ تمہارے بعد خدا نے مجھے بانجھ کر دیا تھا۔" عمارہ کا سانس پھول گیا۔ "میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں بیٹا مجھے ایک دفعہ معاف کر دو تاکہ میرے اندر جلتی آگ بجھ جائے مجھے تھوڑا سا سکون مل جائے ایک دفعہ میرے سینے سے لگ جاؤ میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں نے تمہیں کتنا یاد کیا بہت ہمت کر کے تمہارے پاس آئی ہوں۔ مجھے صرف ایک دفعہ معاف کر دو۔" عمارہ خنساء کے سامنے گڑگڑا

رہی تھی کہ کسی طرح خضاء اسے معاف کردے تاکہ وہ سکون سے مر سکے۔

خضاء نے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔ پھر غور سے ان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "اگر خدا آپ کو اولاد سے نوازدیتا تو مکافاتِ عمل سے نہ گزارتا۔ اولاد کی تو آپ حق دار ہی نہیں تھیں۔ وہ میرا رب کیسے بار بار اپنی نعمت کی توہین کرواتا۔ اور میں ساری زندگی آپ کو معاف نہیں کروں گی۔ میں نے زندگی کے کتنے ہی سال بھیانک خواب کی طرح گزارے۔ میں آپ کو کیسے معاف کرسکتی ہوں۔ جایئے اور ساری زندگی اس احساس جرم کے ساتھ گزاریئے کہ آپ کی بیٹی جو اس شہر میں رہتی ہے وہ آپ کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ اس نے اپنا چھوٹے سے چھوٹا دکھ بھی آپ کو معاف نہیں کیا۔" خضاء کھڑی ہوگئی۔

"خضاء، پلیز مجھے معاف کردو۔ پلیز میری حالت پر رحم کرو۔ صبح وشام یہ دکھ مجھے بچھو کی طرح ڈنک مارتا ہے کہ میں نے اپنی اولاد کو اپنی نادانی میں اپنی ہوس میں جانوروں کی طرح دھتکارا تو زندگی اور خدا نے مجھے دھتکار دیا۔ تم کیا جانو کہ مجھے کتنی سزا مل چکی ہے۔ مجھے ایک پل کو سکون نہیں مجھے معاف کردو۔ مجھے سکون دے دو۔ میرے سینے سے لگ جاؤ۔ خضاء میری بات سنو۔" عمارہ بولتی رہی۔ اسے پکارتی رہی مگر خضاء پتھر بن گئی تھی۔ اس نے دروازہ بند کرلیا تھا۔ تاکہ عمارہ کی کوئی آواز اس تک نہ پہنچ سکے۔

کمرے میں آتے ہی اس کا ضبط ختم ہوگیا۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ "میں اتنی آسانی سے آپ کو کیسے معاف کرسکتی ہوں۔ ابھی تو مجھے اپنے آپ کو سمجھا لینے دیں کہ آپ واقعی شرمندہ ہیں۔ ہاں میرا وعدہ ہے کہ جس دن میں ماضی بھول گئی۔ اسی دن میں آپ کو معاف کردوں گی۔"

☆ —— ❖ —— ☆

دوسرے دن عباس احمد کا فون آیا تو تابندہ نے وہی جواب دیا تو وہ غصے میں آگئے۔

"خضاء میرے بیٹے کی خواہش ہے اور نکاح کوئی ایسی چیز نہیں جسے توڑا نہ جاسکے جبکہ ابھی رخصتی بھی نہیں ہوئی۔ میں ہر حال میں اپنے بیٹے کی خواہش پوری کروں گا تم اپنے بیٹے کی زندگی کی فکر کرو۔" اور فون رکھ دیا۔

اس فون نے تابندہ کو پریشان کردیا لیکن انہوں نے عابس سے اس کا ذکر نہ کیا کہ وہ پریشان ہوگا۔

خضاء پوائنٹ سے اتری چونکہ گھر تھوڑی دور تھا اس لئے پیدل ہی چلی جاتی تھی۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ ایک گاڑی تیزی سے اس کے پاس رکی اور اسے اندر سے کسی نے کھینچ لیا۔ خضاء تو خوف کے مارے چیخ بھی نہ سکی اور کسی نے اس کے ناک پر رومال رکھا اور وہ بے ہوش ہوگئی۔

شام ہوگئی تھی مگر خضاء گھر نہ آئی۔ تابندہ سخت پریشان تھی شازیہ کے گھر فون کیا تو اس نے بتایا کہ وہ تو بارہ بجے ہی گھر چلی گئی تھی تو تابندہ اور پریشان ہوگئی جلدی سے عابس کے آفس فون کیا تو وہ بھی پریشان ہوگیا۔

تمام پولیس کو الرٹ کیا ہر ناکے پر اس کی تصویر دی گئی۔ مگر کچھ پتہ نہ چلا تو عابس کچھ دیر کے لئے گھر آیا وہ عباس احمد کا پتہ لینے کے لئے آیا تھا۔

"کیوں؟" تابندہ مزید گھبرا گئی۔

"مجھے شک ہے کہ یہ حرکت ان کی ہوگی۔" عابس نے درشتی سے کہا۔

"ہاں ہوسکتا ہے مگر عباس وہ اس کا باپ ہے اگر اس نے اغواء کروایا بھی ہے تو تم یہ جرم ان پر کیسے ثابت کروگے۔"

"کیا؟" عابس کو جھٹکا لگا۔ "عباس احمد اس کا باپ ہے۔ تو حسن تو اس کا بھائی ہوا۔"

"نہیں حسن نیلم کے پہلے شوہر سے ہے۔" تابندہ نے وضاحت کی۔

"اوہ۔" عابس چپ ہوگیا۔ "کیا خضاء اس بات سے واقف ہے؟"

"ہاں۔ جب عباس احمد حسن کے ساتھ آیا تو اس نے اسے پہچان لیا تھا۔"

تو پھر اس کو تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب وہ اپنے باپ کے پاس ہے اور ویسے بھی حسن اسے پسند ہے۔ خوامخواہ آپ نے مجھے اتنا پریشان کیا۔ اب اس کے باپ کا فون آئے تو کہہ دیجئے گا کہ طلاق نامہ پہنچ جائے گا پھر خنساء خوشی سے حسن سے شادی کر سکتی ہے۔" عابس شدید غصے میں بولا۔ اس کے چہرے پر شدید تناؤ تھا۔

"عابس...! کیا کہہ رہے ہو تم۔" تابندہ دکھ سے بولی۔ "کیا تمہیں خنساء سے محبت نہیں ہے؟"

"امی...! بات میری محبت کی نہیں ہے۔ بات خنساء کی مرضی کی ہے اور خنساء حسن کو چھوڑ کر مجھے کیسے پسند کر سکتی ہے۔" عابس جھنجلایا ہوا تھا۔

"عابس...! تم کتنے بے خبر ہو۔ تمہیں تو اتنا بھی نہیں پتا کہ خنساء صرف تمہیں پسند کرتی ہے بلکہ تم سے عشق کرتی ہے تم ہی اپنے آپ کو اس سے بہت بڑا خیال کر کے اس سے دور رہتے ہو۔ حالانکہ تم دونوں کا جوڑا اتنا اچھا لگتا ہے۔" فری باجی نے مداخلت کی۔

"میں کیسے یقین کر سکتا ہوں کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے۔" عابس بے یقینی سے بولا۔

"یہ دیکھو اس کی ڈائری ایک ایک حرف اس کے جذبوں کی گواہی دے گا۔ اس کی الماری بھری پڑی ہے تمہاری تصویروں سے تمہارے خط کسی مقدس صحیفے کی طرح اس نے سنبھال کر رکھے ہیں اور کتنے ثبوت چاہیں تمہیں۔" فری باجی نے تمام چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ عابس نے ایک نظر ان چیزوں کو دیکھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆ ..... ❖ ..... ☆

خنساء کو ہوش آیا تو وہ ایک بے حد خوب صورت کمرے میں موجود تھی۔ حسن اور عباس احمد بھی اس کے پاس موجود تھے۔ عباس احمد نے دیکھا کہ اسے ہوش آگیا ہے تو اس کے قریب آکر بولا۔

"میں تو چاہتا تھا کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نکل آئے مگر تمہاری آنٹی بہت ضدی خاتون نکلیں۔ لہٰذا مجھے تمہیں اس طرح یہاں بلوانا پڑا۔"

خنساء نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چپ چاپ ایک ٹک ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عباس احمد کو اس کی نظروں سے بہت الجھن محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ لو کاغذات' ان پر سائن کر دو۔ اگر تم نے خلع کے کاغذات پر سائن نہ کیے تو میں عابس کو مکمل کروا دوں گا۔ تمہیں ہر حال میں حسن سے شادی کرنی پڑے گی۔" عباس احمد نے جلدی سے کہا اور اپنے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا اسے اس لڑکی کی نگاہیں اپنی روح کے اندر اترتی محسوس ہو رہی تھیں۔

خنساء کھڑی ہو گئی۔ "اگر تم ایسا کرو گے تو مجھے تعجب نہ ہو گا۔" پھر اس کے قریب جا کر پوچھا۔ "کیا تمہیں اپنی بیٹی یاد ہے؟" سرسراتا ہوا جملہ تھا جس نے عباس احمد کو تڑپا دیا۔

"اس کا یہاں کیا ذکر؟" عباس احمد چیخ اٹھا۔

"ہاں واقعی اس کا یہاں بلکہ کہیں بھی کیا ذکر' مجھے غور سے دیکھو میں ہوں خنساء عباس' تمہاری بیٹی' جسے برسوں پہلے تم اپنے وجود سے کاٹ کر پھینک آئے تھے۔ تو آج ایک باپ اپنی بیٹی کے اغواء کا جشن منا رہا ہے۔" خنساء دیوانوں کی طرح ہنسی۔

"تم خنساء ہو۔ میری بیٹی۔" عباس احمد کے ہاتھ سے کاغذات گر گئے۔ تمہارے نام سے مجھے تمہاری خوشبو تو آئی مگر میں نے سوچا کہ خنساء تو اپنی ماں کے ساتھ باہر چلی گئی تھی وہ بھلا یہاں کہاں۔

"ماں۔" خنساء تلخی سے ہنسی۔ "وہ آپ کی نشانی کو اپنے ساتھ کیسے لے جا سکتی تھی جتنی نفرت آپ دونوں مجھ سے کرتے تھے بھلا وہ مجھے اپنے پاس کیسے رکھ سکتی تھیں۔"

"نہیں خنساء بیٹا والدین اپنی اولاد سے کبھی بھی نفرت نہیں کرتے بلکہ جب وہ ایک دوسرے سے بے زار ہو جاتے ہیں نئی دنیا انہیں نظر آرہی ہوتی ہے تو وہ اپنے وجود کی نفرت اپنی اولاد میں انڈیل دیتے ہیں۔ اپنی تمام بے زاری اپنے بچوں میں منتقل کر دیتے ہیں۔ وہ غلط طور پر جذبات میں اندھے ہو کر وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے منے بچوں کی ان کی زندگی میں بھلا کیا اہمیت۔ مگر جب

وقت گزر جاتا ہے تو [illegible] ہوں آتا ہے کہ اپنی سب سے قیمتی شے تو وہ کہیں پیچھے ہی چھوڑ آئے ہیں۔ مجھے عمارہ سے نفرت تھی اس کے پیچھے تو مجھے پتہ نہیں چلتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ کتنا برا سلوک کرتا ہوں مگر پھر تم مجھے بہت یاد آئیں میں نے اس بند گھر کے بے تحاشا چکر لگائے کہ تمہاری ایک جھلک مجھے نظر آجائے۔ میں تمہارے قدموں کے نشان ڈھونڈتا رہا مگر مجھے کوئی سراغ نہ ملا میں کتنا بدنصیب ہوں کہ مجھے یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ جسے میں جگہ جگہ تلاش کررہا ہوں وہ میرے ہی شہر میں میرے اتنے قریب موجود ہے۔" عباس احمد کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔

"آپ چاہے کچھ بھی کہہ لیں مجھے آپ کی کوئی بھی وضاحت مطمئن نہیں کرسکتی۔ بس آپ مجھے واپس بھجوادیں۔ خنساء نے ان کی کوئی بھی بات ماننے سے انکار کردیا۔

حسن تڑپ کر آگے آیا۔

"پاپا۔! میں مرجاؤں گا اگر خنساء مجھے نہ ملی تو پھر یہ تو آپ کی بیٹی ہے۔ آپ اپنی بات ان سے منواسکتے ہیں اور پھر پاپا سوچئے اس طرح آپ کی برسوں کی بچھڑی بیٹی آپ کے ساتھ رہ بھی سکتی ہے۔"

"ہاں۔" عباس احمد کی بجھی ہوئی آنکھوں میں چمک لہرائی۔ "خنساء بیٹا۔" لہجے میں سارے جہان کا پیار تھا۔ "تمہارا باپ تمہارے بغیر بہت تڑپا ہے۔ آجاؤ میرے پاس آجاؤ۔ میں ساری دنیا کی نعمتیں تمہارے قدموں میں ڈھیر کردوں گا۔ عابس کے پاس کیا ہے۔ ایک ڈپٹی کمشنر کیا تنخواہ ہوگی اس کی؟" عباس احمد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ خنساء نے زور سے ان کا ہاتھ جھٹکا اور دور جا کھڑی ہوئی۔

"آپ جان ہی نہیں سکتے کہ عابس میرے لئے کیا ہے۔ آپ نے اس عمر میں مجھ سے اپنا سایہ چھینا جب میں بالکل بے بس کمزور تھی۔ ماما مجھے انسانوں کے ہجوم میں تنہا چھوڑ کر چلی گئیں تو تابندہ آنٹی اور عابس نے مجھے پناہ دی جب میرے ماں باپ نے جیتے جی اپنا سایہ مجھ سے چھینا تو ایک لمحے کے لئے رک کر نہ سوچا کہ میں تو کڑی ہوں شاید ماں جاتی ترسے تو پھر بھی اپنے بچے سمیٹ لیتے ہیں انہیں کہیں نہ کہیں پناہ مل جاتی ہے مگر تنہا لڑکی تو رل جاتی ہے۔ آپ کل جتنے خود غرض تھے اتنے ہی آج بھی ہیں کل آپ نے اپنی خوشیوں پر مجھے قربان کردیا تھا اور آج اپنی بیوی اور سوتیلے بیٹے پر مجھے ہی قربان کرنا چاہ رہے ہیں آج بھی آپ میرے سر کی محفوظ چھت چھین کر مجھے دھوپ میں کھڑا کرنا چاہ رہے ہیں میں اس جرم پر کبھی بھی آپ کو معاف نہیں کروں گی اگر آپ نے مجھ سے زبردستی کی تو یاد رکھئے گا میں خودکشی کرلوں گی۔ اگرچہ میں جانتی ہوں کہ اس سے آپ کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

خنساء کی باتیں سن کر عباس احمد نے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔

"خنساء۔! مجھے اتنا ذلیل نہ کرو میرے غلط فیصلوں نے مجھے کتنا رسوا کیا ہے۔ تم نہیں جان سکتیں۔ میری حیثیت یہاں کیا ہے۔ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ میری تو وہ حالت ہے کہ دھوبی کا کتا نہ گھر کا رہا نہ گھاٹ کا۔" عباس احمد کے چہرے پر بے پناہ تھکن تھی۔ "چلو میں تمہیں تابندہ کے پاس چھوڑ آؤں۔" خنساء کھڑی ہوگئی۔

"پاپا۔! آپ یہ کیا کررہے ہیں؟" حسن چلایا

"تم خاموش رہو۔" عباس نے اسے جھڑکا۔

"آپ اچھی طرح سوچ لیں۔۔۔ ماما۔" حسن کا انداز دھمکی لئے ہوئے تھا۔

"شٹ اپ۔" عباس احمد اس سے زیادہ چلائے "کیا کریں گی تمہاری ماما ایک اور دفعہ مجھے ذلیل کرلیں گی۔ کیا فرق پڑجائے گا اگر زندگی میں ایک دفعہ اپنی بیٹی کے لئے ذلیل ہوگیا اس کے لئے کچھ کرلیا۔ تو شاید میرے گناہوں کا کچھ کفارہ ادا ہوجائے۔" عباس احمد کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا حسن ہونٹ بھینچے طیش سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"خنساء بیٹا! کیا میں تمہیں ملنے آسکتا ہوں۔"

"نہیں۔" خنساء نے مختصر جواب دیا۔ "کم از کم ابھی نہیں۔ ابھی میں اپنے آپ کو اس پر تیار نہیں

سانس لے کر رہ گیا۔

اسی وقت دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔

"صاحب جی۔! پولیس نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔" کسی ملازم کی آواز آئی۔

"نہیں اندر آنے دو۔" عباس احمد پرسکون تھا۔ تو حسن گھبرا گیا۔

"اگر پولیس اندر آگئی تو ہم اغواء کے جرم میں جیل میں چلے جائیں گے۔" مگر عباس احمد نے خود آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

عابس پولیس کے ساتھ اندر داخل ہوا تو خنساء تیزی سے اس کے پیچھے ہو گئی۔ پولیس نے دونوں کو گرفتار کر لیا۔ جب ساری کارروائی مکمل ہو گئی تو پولیس ان دونوں کو لے کر تھانے چلی گئی۔ عابس نے ایک طرف خاموش کھڑی خنساء کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود دوسری طرف بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر گاڑی میں خاموشی طاری رہی۔

خنساء نے اس کی طرف دیکھا تو وہ کھڑکی پر بازو ٹکائے باہر دیکھ رہا تھا۔ تو وہ بھی باہر دیکھنے لگی۔ عابس کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کی اس حرکت پر مسکرا دیا۔

"خنساء۔! تم مجھ سے خفا ہو۔" یکدم اس کی طرف جھکا تو وہ گھبرا گئی۔

"نہیں۔ مجھے خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ ہی ہمیشہ مجھے دوسروں کے حوالے کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔" خنساء نے روٹھے ہوئے انداز میں کہا۔

"اس لئے کہ میں چاہتا تھا کہ تم اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرو پھر تم نے خود مجھے کہا تھا کہ تمہیں حسن پسند ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا بلکہ میں نے کہا تھا کہ حسن مجھے پسند کرتا ہے اور اس کے بعد آپ نے میری بات نہیں سنی اور ہمیشہ اپنی بات کہہ کر چلے گئے۔ کبھی بھی نہ میری کوئی وضاحت سنی اور نہ ہی

"میں سمجھتا تھا کہ تم مجھے پسند نہیں کرتیں۔" عابس نے آہستہ سے کہا۔

"عابس۔! آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ ہمیشہ سے جانتے تھے کہ خنساء آپ کے علاوہ کسی اور کو نہیں سوچ سکتی آپ نے اپنا حصار اس طرح میرے گرد تائم کیا تھا کہ میں آپ کے علاوہ کہیں اور جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ میرے تمام خطوط اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ میرے قریب ہوں یا دور میں آپ کے حصار سے نہیں نکل سکتی۔" خنساء ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

عابس نے نرمی سے اس کے ہاتھ الگ کئے اور اعتراف کیا "ہاں میں جانتا تھا۔ مگر آپ دنیا سے خوفزدہ تھے۔ میرا ساتھ آپ کے لئے باعث شرمندگی تھا۔ میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔ آپ دنیا کے سامنے مجھے اپنی بیوی شو کرنے سے گھبرا رہے ہیں۔" خنساء ہاتھ چھڑا کر تیزی سے بولی۔

عابس ہنس پڑا۔ "تمہارا کیا خیال ہے کہ اس وقت تمہاری تلاش کس حیثیت سے ہو رہی تھی۔ مسز خنساء سارا محکمہ جان چکا تھا کہ محترم ڈپٹی کمشنر صاحب پاگلوں کی طرح اپنی وائف کو تلاش کر رہے ہیں۔"

خنساء نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"یار ایسے مت دیکھو۔ دل بے ایمان ہونے لگتا ہے۔" عابس نے مسکراتے ہوئے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ خنساء جھینپ گئی اور سامنے کی طرف دیکھنے لگی۔ عابس نے گاڑی چلاتے ہوئے نرمی سے اسے اپنے ساتھ لگایا اور خنساء تھوڑی دیر میں اس کے کندھے پر سر رکھ کر سکون سے سو گئی۔

گاڑی میں ہلکا ہلکا میوزک چل رہا تھا اور عابس بہت آہستہ آہستہ گاڑی چلا رہا تھا تاکہ وہ ڈسٹرب نہ ہو۔ اسے یقین تھا کہ زندگی کو جتنا خراج وصول کرنا تھا کر لیا۔ اب بہاران کی منتظر ہے۔